مغرب کی اسلام کے خلاف

عالمی نظریاتی جنگ

رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ 'سِوَل ڈیموکریٹک اسلام' کا جائزہ

نعمان حجازی

ادارۂ حطّین

مغرب کی اسلام کے خلاف

عالمی نظریاتی جنگ

رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ 'سِوِل ڈیمو کریٹک اسلام' کا جائزہ

نعمان حجازی

ادارۂ حطّین

فہرست

تعارف 6

رینڈ کارپوریشن کا تعارف 8

مصنفہ کا تعارف 9

رپورٹ کے انتخاب کی وجہ 9

پس منظر 11

امریکہ کے عالم اسلام میں نظریاتی اہداف 14

عالم اسلام کی طبقاتی تقسیم 15

’بنیاد پرست‘(Fundamentalists) 15

1. مسلکی بنیاد پرست(Scriptural Fundamentalists) 16

2. شدت پسند(Extremists) 16

’روایت پسند‘(Traditionalists) 17

1. قدامت پرست(Conservatives) 17

2. اصلاح پسند(Reformists) 18

’جدت پسند‘(Modernists) 18

’لادین‘(Secularists) 19

1. عمومی لادین(Mainstream Secularists) 19

2. متشدد لادین(Radical Secularists) 20

جمہوری اسلام کی ترویج کے لیے رفقاء کی تلاش 21
'لادین' (Secularists) 21
بنیاد پرست (Fundamentalists) 24
روایت پسند (Traditionalists) 26
روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان فرق 27
روایت پسندوں میں موجود مغرب کے لیے ممکنہ کارآمد جمہوری عناصر 28
مغرب میں داخلی طور پر ردّعمل کا خدشہ 29
مغرب کی ساکھ متاثر ہونے کا خطرہ 30
اصلاحات کی کوششوں کی بیخ کنی کا خطرہ 31
جدت پسند (Modernists) 31
جدت پسندوں کی کمزوریاں 32
جدت پسندی کی دو مخصوص صورتیں 33
صوفی مسلمان 38
مجوزہ حکمت عملی 39
مجوزہ حکمت عملی کی تفصیل 41
حکمت عملی کے بنیادی نقاط 41
جدت پسند قیادت کی تعمیر 41
بنیاد پرستی پر کھل کر حملہ کیا جائے 42
جمہوریت اور جدیدیت کو پوری شد و مد کے ساتھ فروغ دیا جائے 43
تعلیم اور نوجوان طبقہ پر توجہ 43

حکمت عملی کو تقویت دینے کے لیے مخصوص سرگرمیاں 44
رپورٹ اور اس کے مجوزہ اہداف کا تجزیہ 47
مسلم طبقات سے متعلق ذیلی اہداف کا تجزیہ 48
شدت پسند طبقہ 48
مسلکی بنیاد پرست طبقہ 56
نوجوان طبقہ 59
دیگر اہداف 70
مسلم طبقات سے متعلق اساسی اہداف کا تجزیہ 75
طبقاتی تقسیم کی حقیقت اور جدت پسند 75
بنیاد پرستوں سے متعلق اساسی ہدف کا جائزہ 77
اختتامیہ: مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ 79

تعارف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده, والصَّلاة والسَّلام على من لا نبيَّ بعده, وبعد

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد امریکہ اور اس کے حواریوں نے اسلام کے خلاف جہاں ایک محدود پیمانے پر عسکری جنگ کا آغاز کیا، وہیں ایک وسیع دائرے میں ایک نظریاتی جنگ کا آغاز بھی کر دیا۔ جہاں عسکری جنگ کا مقصد مجاہدین اور ان کے انصار کو ختم کرنا تھا تو وہیں اِس نظریاتی جنگ کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ اور نفاذِ شریعتِ مطہرہ جیسے عزائم کو جڑوں سے ختم کرنا تھا۔

اگرچہ عالم اسلام میں مغرب کی نظریاتی جنگ کا آغاز خلافت عثمانیہ کے سقوط سے بھی پہلے سے شروع ہو چکا تھا اور تب سے مغربی مستشرقین اور ان کے مشرقی حواری مستقل مسلمانوں کے ذہنوں میں تشکیک کے بیج بونے کے کام میں لگے ہی ہوئے تھے لیکن جس طرح گیارہ ستمبر سے پہلے مغرب اور اس کا سرغنہ امریکہ عالم اسلام پر اپنے عسکری اور معاشی تسلط کو قائم کرنے کا کام مختلف حیلے بہانوں سے کر رہا تھا اسی طرح یہ نظریاتی جنگ بھی ڈھکے چھپے انداز میں ہی جاری تھی۔ لیکن گیارہ ستمبر کے بعد جب امریکہ اور باقی مغرب 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر عسکری میدان میں کھل کر سامنے آ گیا، اسی طرح اپنی نظریاتی جنگ بھی کھل کر لڑنے لگا اور کھلم کھلا اس کا اظہار کیا کہ ہم ایک ایسا اسلام دیکھنا چاہتے ہیں جو مغربی تہذیب اور اقدار کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔

گیارہ ستمبر کے بعد اس کھلی نظریاتی جنگ کو چھیڑنے کی ضرورت اس لیے بھی بڑھ گئی کیونکہ مغرب کو نظر آ رہا تھا کہ عالم اسلام میں اور خاص طور پر اس کے نوجوانوں میں جو بیداری کی لہر اٹھ رہی ہے اگر اس کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو یہ مغربی تہذیب اور اقدار کو بھی جڑوں سے اکھاڑ لے جائے گی۔ اس لیے جس طرح عسکری میدان میں ان کا نظریہ ہے کہ "Offense is the best defense" (اقدام بہترین دفاع ہے)، یہی نظریہ انہوں نے نظریاتی

میدان میں بھی استعمال کیا تاکہ اسلامی تہذیب واقدار کی جڑوں کو متزلزل کر دیا جائے اور ایک ایسا 'نیا اسلام' متعارف کروایا جائے جو مغرب کے لیے خطرہ نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو اور اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے جو تہذیب واقدار میں، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظریات میں مکمل طور پر مغرب کا ہی پیرو ہو۔

اس حوالے سے ایک اہم تحقیقی رپورٹ رینڈ کارپوریشن کی طرف سے ۲۰۰۴ء میں "مہذب جمہوری اسلام: رفقاء، وسائل، حکمت عملیاں" (Civil Democratic Islam: Partners, Resources, Strategies) کے نام سے نشر ہوئی، جو کہ اس نظریاتی جنگ میں شاید ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحریر میں اسی رپورٹ کا جائزہ لیا گیا ہے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ مغرب عالم اسلام کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اس کے اسلام سے متعلق کیا نظریاتی اہداف ہیں اور آج وہ ان اہداف کو کس حد تک حاصل کر چکا ہے۔ اس تحریر میں اس رپورٹ کی بہت سی مثالوں کو اور اسلام، اسلامی احکامات اور احادیث وغیرہ پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کو ان کے حد درجہ احمقانہ اور ناسمجھی پر مبنی ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا ہے سوائے چند چنیدہ اعتراضات کے۔ اس کے علاوہ رپورٹ کے ایک باب کو اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیونکہ پورے باب کا موضوع مختلف اساسی امور میں عالم اسلام کے مختلف طبقات کی رائے کی تفصیل پر ہے۔ یہ موضوع اگرچہ مغربی پالیسی سازوں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہو گا لیکن اتنی تفصیل میں یہ باب شامل کرنا ہمارے موضوع میں کوئی خاص فائدہ فراہم نہیں کرتا کیونکہ اجمالی طور پر ان طبقات کی آراء ان اساسی موضوعات پر اس مقالے میں دیگر جگہوں پر آئی ہے۔ اس کے علاوہ دو ضمیموں کو حذف کیا ہے کیونکہ ان کا خاص مقصد اسلامی احکامات و شعائر کے بارے میں تشکیک پھیلانے والوں کو موزوں مواد فراہم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اگر ان دو ضمیموں اور رپورٹ میں شامل اس طرح کی دیگر کئی مثالوں اور اعتراضات کا من وعن ترجمہ شامل کر دیا جاتا اور ان اعتراضات کا تفصیلی جواب نہ دیا جاتا، جو کہ اس تحریر کے اندر دینا نا ممکن تھا، تو احتمال تھا کہ یہ فائدہ دینے کی بجائے مغرب کے اسلامی احکام و شعائر کے بارے میں تشکیک پھیلانے میں ہی مددگار ثابت ہو گا۔

رینڈ کارپوریشن کا تعارف

رینڈ کارپوریشن امریکی حکومت کی امداد سے چلنے والا ایک تھنک ٹینک ادارہ ہے جس کا سب سے بنیادی کام امریکی حکومت اور افواج کو مختلف موضوعات بالخصوص دفاعی موضوعات پر پالیسی سازی میں مدد کے لیے تحقیقات و تجزیات فراہم کرنا ہے۔ اس ادارے کا قیام ۱۹۴۸ء میں امریکی فضائیہ کے پہلے سربراہ ہنری آرنلڈ نے مستقبل کے ہتھیاروں کی طویل المدتی منصوبہ بندی کے مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس ادارے کا دوسرا کام بین البراعظمی جنگوں سے متعلق تحقیق کرنا رکھا گیا۔ جس کے بعد آنے والے سالوں میں اس کے کام کا دائرہ کار وسیع ہوتا چلا گیا۔ رینڈ کارپوریشن اپنی تحقیقات و تجزیات کے لیے کس قسم کے ماہرین کا انتخاب کرتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ طبیعات و معیشت کے شعبوں میں نوبل انعام حاصل کرنے والوں میں سے بتیس (۳۲) افراد کسی نہ کسی سطح پر رینڈ کارپوریشن کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔

رینڈ کارپوریشن کے تین نمایاں کام جو امریکی حکومت میں اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں درج ذیل ہیں:

1. **خلائی تحقیق:** اس ادارے کی طرف سے پیش کی گئی خلائی تحقیق کے نتیجے میں امریکہ سویت یونین کو خلائی تحقیق کے شعبے میں پیچھے چھوڑنے کے قابل ہوسکا۔
2. **'وار گیمز':** رینڈ کارپوریشن نے فوجی مشقوں اور ممکنہ جنگوں کی پیشگی تیاری کے لیے مصنوعی جنگوں کا طریقہ 'وار گیمز' وضع کیا۔ جسے آج پوری دنیا کی افواج اپنی جنگی مشقوں میں استعمال کرتی ہے۔
3. **انٹرنیٹ انقلاب:** رینڈ کارپوریشن کا سب سے اہم کام جس نے ساری دنیا کو متاثر کیا وہ انٹرنیٹ انقلاب میں کردار ہے۔ انٹرنیٹ کا پورا نظام جن اصولوں کی بنیاد پر کھڑا کیا گیا تھا ان میں سے زیادہ تر اصول رینڈ کارپوریشن ہی نے تجویز کیے تھے۔

اگرچہ آج رینڈ کارپوریشن کا دائرہ کار بہت وسیع ہوچکا ہے لیکن آج بھی اس کی آدھی سے زیادہ تحقیقات اور تجزیوں کا تعلق امریکی قومی سلامتی کے امور سے ہی ہوتا ہے۔

مصنفہ کا تعارف

یہ رپورٹ امریکی مصنفہ شیرل بینارڈ (Cheryl Benard) نے تحریر کی ہے جو کہ رینڈ کارپوریشن سے جڑی ایک محقق ہے۔ اس کے علاوہ یہ 'آرچ انٹرنیشنل' (ARCH International) کے نام سے ایک تحقیقی ادارے کی صدر بھی ہے جس کا کام کسی خطے میں جنگی آپریشن کے خاتمے کے بعد وہاں مغربی ثقافت کی ترویج میں مدد دینا ہے۔ مصنفہ کے تحقیقی مقالوں میں اسلام سے بغض و عداوت کا عنصر واضح محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مصنفہ 'تحریکِ نسواں' (feminism) سے بھی گہری وابستگی رکھتی ہے۔

مصنفہ سے متعلق ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ یہ افغان نژاد امریکی شہری اور امریکہ کے افغانستان کے لیے خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد کی بیوی ہے۔ شیرل بینارڈ کے کچھ نمایاں تحقیقی مقالے درج ذیل ہیں:

- خدا کی حکومت: ایران کی اسلامی جمہوریہ (۱۹۸۴ء)[1] (یہ کتاب مصنفہ نے زلمے خلیل زاد کے ساتھ مل کر لکھی)
- برقع پوش جرأت: افغان عورتوں کی مذاحمت (۲۰۰۲ء)[2]
- مہذب جمہوری اسلام: رفقاء، وسائل اور حکمت عملیاں (۲۰۰۴ء)[3]
- یوروجہاد: یورپ میں اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے نقوش (۲۰۱۴ء)[4]

رپورٹ کے انتخاب کی وجہ

عالم اسلام میں مغرب کی نظریاتی جنگ اور ان کے نظریاتی اہداف کے حوالے سے عشروں سے لکھا جا رہا ہے اور علمائے کرام اور مسلمان مفکرین عشروں سے مسلمانوں کو بیدار اور خبردار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن

---

[1] The Government of God: Iran's Islamic Republic (1984)

[2] Veiled Courage: Inside the Afghan Women's Resistance

[3] Civil Democratic Islam: Partners, Resources, and Strategies (2004)

[4] Eurojihad – Patterns of Islamist Radicalization and Terrorism in Europe

مسلمان معاشروں میں عوام کا ایک طبقہ موجود ہے جو اس طرح کی ہر بات کو ''سازشی تھیوری'' کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے اور جس سطح پر اسلام کو ہمارے معاشروں سے مٹا دینے کی کوششیں کی جارہی ہیں اس کو اہمیت نہیں دیتا۔ اسی نظریاتی جنگ اور اس کے اہداف کو سمجھانے کے لیے اس رپورٹ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ خود دشمن کی اپنی زبان سے کیا گیا اعتراف ہے اور ان کی طرف سے اس نظریاتی جنگ اور اس کے اہداف کا کھلا اعلان ہے۔ اگر یہ رپورٹ کسی اور ادارے کی طرف سے نشر ہوئی ہوتی تو اس پر اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ یہ فقط اس ادارے کی رائے ہے لیکن یہ ایک ایسے ادارے کی رپورٹ ہے جس کا مغربی حکومتوں کی پالیسی سازیوں میں کلیدی کردار کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس لیے جائزے کے لیے اس رپورٹ کا انتخاب کیا گیا کہ شاید یہ ادنیٰ سی کاوش ''سازشی تھیوری'' کہہ کر بہت سی نصیحتیں رد کر دینے والے کسی مسلمان کو جھنجھوڑ کر اسے حق کو پہچاننے اور اس کا ساتھ دینے کی تحریض دلا دے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمالیں اور اسے امت مسلمہ کے لیے اپنے دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے مقابلے میں اپنا اور اسلام کا دفاع کرنے لیے تحریض کا باعث بنادیں۔ آمین

پس منظر

اگرچہ عالم اسلام میں اسلام کی 'معتدل'[5] اور 'جمہوری' تشریحات کو پھیلانے کے ہدف پر کام انیسویں صدی کے وسط سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن مغرب کی نظر میں اس ہدف کی اہمیت گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد کئی گنا بڑھ گئی۔

مغربی مفکرین وسیاسی قائدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام ایک اہم مذہب ہے جس کا دنیا میں بہت وسیع سیاسی اور سماجی اثر ورسوخ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام جن نظریات اور طرز عمل کی ترویج کرتا ہے ان میں بہت سے ایسے ہیں جو مغربی تہذیب کے وجود کے لیے خطرہ ہیں جسے مغربی مفکرین اپنی اصطلاح میں 'عالمی امن' کے لیے خطرہ کہتے ہیں۔

اس لیے مغربی مفکرین اور حکومتوں میں اس بات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے کہ عالم اسلام میں ایسے طبقوں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے جو اسلام کی زیادہ 'معتدل'، 'جمہوری'، 'پر امن' اور 'رواداری' والی تشریح کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستمبر کے حملوں کے فوراً بعد مغربی سیاسی رہنماؤں نے بیانات دینے شروع کیے جس میں انہوں نے اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا کہ ان حملوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسلام کو اس میں قصوروار ٹھہرایا نہیں جا سکتا، اسلام دنیا میں ایک مثبت قوت ہے، اسلام 'امن' اور 'رواداری' کا مذہب ہے وغیرہ۔ ان رہنماؤں نے مساجد میں جا کر تقریریں کیں، علماء سے ملاقاتیں کیں، یہاں تک کہ اپنی تقاریر میں قرآنی آیات سے حوالے بھی لانے شروع کر دیے۔

[5] اس تحریر میں جتنی بھی اصطلاحات واوین میں ذکر ہوئی ہیں، یہ سب مغربی اصطلاحات ہیں انہیں ان کے لغوی معنوں میں لینے کی بجائے ان کے 'اصل' معنوں میں ہی لیا جانا چاہیے۔

مثال کے طور پر ۲۰۰۲ء میں اپنی ایک تقریر کے دوران صدر بش نے کہا کہ "اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جو دنیا کے ایک ارب سے زائد انسانوں کو سکون مہیاء کرتا ہے"، اس کے ساتھ بش نے یہ بھی کہا کہ "یہ ایک ایسا مذہب ہے جس نے ہر نسل کے افراد کو آپس میں بہن بھائی بنایا ہے، یہ محبت پر مبنی عقیدہ ہے نا کہ نفرت پر مبنی"۔

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے بعض تجزیہ نگار طنزیہ طور پر کہنے لگے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغرب کی ساری کی ساری سیاسی قیادت نے اجتماعی طور پر اچانک اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ ڈگری حاصل کرلی ہے جس سے یہ اس قابل ہوگئے ہیں کہ اپنی تقاریر میں عوام کو سمجھا سکیں کہ 'حقیقی اسلام' کیا ہے۔

مغربی سیاسی قیادت کی طرف سے گیارہ ستمبر کے بعد اسلام سے متعلق اس طرح کی بیان بازی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر یہ کھلم کھلا اسلام کو قصور وار ٹھہرا دیتے تو عالم اسلام میں انہیں شدید ردّ عمل کا سامنا کرنا پڑتا اور مسلم ممالک کے کٹھ پتلی حکمرانوں کے لیے مغرب کے تمام احکامات پر عمل درآمد کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس حکمت عملی کی وجہ سے مسلم ملکوں کے حکمرانوں کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ نام نہاد 'دہشت گردی' کے خلاف مغرب کی جنگ کا حصہ بن سکیں اور 'دہشت گردی' کے معاملے کو اسلام سے جدا کر سکیں۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان مغربی ممالک میں بڑی تعداد میں قیام پذیر ہیں جو مغربی معیشت کے لیے کلیدی اہمیت کے حامل ہیں، اگر سیدھا سیدھا اسلام کو الزام دیا جاتا تو مغربی ملکوں میں ہی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تناؤ بڑھ جاتا اور جھڑپیں شروع ہو جاتیں جو مغربی معاشرہ کے امن اور اس کی ساکھ کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مغرب کے پاس ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا تھا کہ عالم اسلام میں مغربی تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ اسلام کو ترویج دینے کے ہدف کو تیزی سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس ہدف کے حصول کے لیے مغربی مستشرقین اور ان کے مشرقی حواریوں نے دلائل جمع کرنے شروع کیے تاکہ اگر یہ ثابت نہ بھی کیا جاسکے کہ اسلام 'اعتدال پسندی'، 'رواداری'، 'تنوّع' اور 'جمہوریت' کا علم بردار ہے تو بھی کم سے کم یہ ثابت ضرور کر دیا جائے کہ اسلام ان سب نظریات کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتا ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف مسلم معاشروں کے اندر اور باہر دونوں طرف سے متجددین اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایسے دلائل جمع کیے جائیں جو اسلام کو زیادہ 'لبرل' اور 'رواداری' والا مذہب دکھائیں تو دوسری طرف 'دہشت گرد' بھی اپنے کاموں کو اسلام ہی سے ثابت کر رہے تھے اور اس پر دلائل لا رہے تھے کہ ان کے اہداف اور طریقہ کار پر عمل کرنے کا براہ راست اسلام میں ہی حکم ہے۔ گیارہ ستمبر کے حملوں پر عالم اسلام میں عوام نے جس خوشی کا اظہار کیا اس سے آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو اسلام کی لادین طبقہ کی طرف سے کی جانے والی تشریحات کی نسبت 'دہشت گردوں' کی کی گئی تشریحات کی طرف زیادہ مائل ہے۔

جہاں مغربی اور مسلم ملکوں کے حکمران مستقل یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہیں کہ 'دہشت گردوں' کے عزائم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو دوسری طرف 'بنیاد پرست' طبقہ مستقل ان دونوں کو ایک ثابت کر رہا ہے۔

بہت سے مغربی مفکرین کی نظر میں 'دہشت گردوں' کی مخالفت، اس جنگ کو 'مذاہب کا تصادم' بننے سے بچانا، اور 'بنیاد پرستوں' کی اسلامی تشریحات کو غیر معتبر ثابت کرنے کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عالم اسلام میں ایسے طبقوں کی حمایت کی جائے جو مغرب سے متعلق نرم رویہ رکھتے ہوں۔ لیکن ایسے طبقوں کی تلاش کہ جو ان اہداف کے حصول میں مغرب کے شریکِ کار بھی بن سکیں اور ساتھ میں انہیں عالم اسلام میں قبولیت عام بھی حاصل ہو ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ اسلام جیسے مذہب کی وہ تشریحات جو صدیوں سے چلی آرہی ہیں ان کو یکسر رد کر کے نئی تشریحات متعارف کروانا اور انہیں عالم اسلام میں رائج کروانا یقیناً کوئی آسان کام نہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے رینڈ کارپوریشن نے تجویز کیا کہ عالم اسلام کے مختلف طبقوں کی ذہنیتوں اور افکار کو سمجھا جائے اور یہ اندازہ لگایا جائے کہ کون سے ایسے طبقے ہیں جو مغربی اقدار سے مطابقت رکھتے ہیں اور عالم اسلام میں امریکی عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں شریکِ کار ہو سکتے ہیں اور کون سے ایسے طبقے ہیں جو امریکہ کے حقیقی دشمن ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کون سے طبقے ہیں جو ان دونوں طبقوں کے درمیان میں آتے ہیں۔ پھر ان طبقوں کو سمجھتے ہوئے ان سے متعلق واضح حکمت عملی وضع کی جائے۔

امریکہ کے عالم اسلام میں نظریاتی اہداف

اسلام کے خلاف ایک وسیع جنگ کا آغاز کرنے سے امریکہ کو عالم اسلام میں جن چیلنجز کا سامنا تھا ان کو مدّ نظر رکھتے ہوئے امریکہ نے تین نظریاتی اہداف طے کیے:

1. عالم اسلام میں 'بنیاد پرستی' اور 'انتہا پسندی' کے پھیلاؤ کی روک تھام۔
2. ایسا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تاثر بھی دینا کہ "امریکہ اسلام دشمن نہیں"۔
3. اُن تمام معاشی، معاشرتی، سیاسی اور دیگر عوامل کو سمجھنا اور ان کا حل نکالنا جو کسی مسلمان کو 'بنیاد پرستی' اور 'شدت پسندی' کی طرف مائل کرتے ہیں۔

امریکہ ایک ایسے اسلام کو ترجیح دیتا ہے جو عالمی نظام کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو، جو 'جمہوری' ہو اور جو عالمی اصول و قواعد کی پیروی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری سمجھتا ہے کہ 'تہذیبوں کے تصادم' سے ہر ممکن طریقہ سے بچنے کی کوشش کی جائے کیونکہ یہ 'تہذیبوں کا تصادم' مغرب کے لیے سنگین معاشی، معاشرتی، سیاسی اور داخلی سکیورٹی پر برے اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے امریکہ ضروری سمجھتا ہے کہ عالم اسلام میں ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی کی جائے جو عالمی برادری کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں اور 'جمہوری اقدار' اور 'جدیدیت' کے خواہاں ہوں۔

عالم اسلام کی طبقاتی تقسیم

اس رپورٹ میں پیش کیے گئے تجزیے کے مطابق عالم اسلام اس وقت دو بنیادی مسائل کا شکار ہے۔ ایک ترقی کرنے اور آگے بڑھنے میں ناکامی اور دوسرا عالمی برادری کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر چلنے میں ناکامی۔ عالم اسلام ایک لمبے عرصے سے پسماندگی اور دیگر دنیا کے مقابلے میں ضعف کا شکار چلا آ رہا ہے۔ اس کے حل کے لیے بہت سے نعرے متعارف کروائے گئے، جیسے قومیت کا نعرہ، عرب قومیت کا نعرہ، عرب اشتراکیت کا نعرہ یا اسلامی انقلاب کا نعرہ۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکا، جس کی وجہ سے عالم اسلام میں مجموعی طور پر مایوسی اور غصے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس صورتحال کو کیسے تبدیل کیا جائے اس بارے میں مسلمانوں کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف ہی معاشرہ میں انہیں چار بنیادی نظریاتی طبقات میں تقسیم کرتا ہے جو درج ذیل ہیں:

1. بنیاد پرست (Fundamentalists)
2. روایت پسند (Traditionalists)
3. جدت پسند (Modernists)
4. لادین (Secularists)

'بنیاد پرست' (Fundamentalists)

'بنیاد پرست' وہ لوگ ہیں جو جمہوری اقدار اور معاصر مغربی تہذیب کو رد کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایک 'آمرانہ' اور 'مذہبی ریاست' کا قیام چاہتے ہیں جس میں وہ اسلامی قوانین اور اخلاقیات کی اپنی 'متشدد' تشریحات کو نافذ کر سکیں۔

'بنیاد پرست' ایک 'جارح' اور 'توسیع پسند' اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں جو طاقت کے استعمال سے بالکل نہیں جھجکتا۔ ان کا مقصد طاقت حاصل کر کے دنیا کے زیادہ سے زیادہ انسانوں پر اسلامی قوانین کو نافذ کرنا ہے۔ ان بنیاد

پرستوں کے مخاطب کوئی 'قومی ریاست' یا کوئی نسلی گروہ نہیں بلکہ پوری اسلامی برادری (امت مسلمہ) ہے۔ بعض اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا ان کے مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے لیکن بنیادی مقصد نہیں۔

'بنیاد پرستوں' کو مزید دو شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. مسلکی بنیاد پرست (Scriptural Fundamentalists)
2. شدت پسند بنیاد پرست (Extremists)

1. مسلکی بنیاد پرست (Scriptural Fundamentalists)

'مسلکی بنیاد پرست' وہ گروہ ہیں جو عموماً اسلام کے کسی مخصوص مکتبہ فکر سے جڑے ہوتے ہیں۔ ان گروہوں میں اپنے مکتبہ فکر سے باہر کے افراد شامل نہیں ہوتے اور ان کے مقاصد و اہداف کا دائرہ بھی اپنے مکتبہ فکر تک ہی محدود رہتا ہے۔

2. شدت پسند (Extremists)

'شدت پسند بنیاد پرست' گروہوں کا کسی خاص مکتبہ فکر سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان گروہوں کی بنیاد کوئی نظریہ یا مقصد ہوا کرتا ہے جس کے حصول کے لیے یہ تمام مکاتب فکر کے افراد کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ القاعدہ، افغان طالبان، حزب التحریر اور دنیا میں پھیلی بہت سی اسلامی تحریکوں کا تعلق بنیاد پرستوں کی اسی شاخ سے ہے۔

تمام 'بنیاد پرست'، 'دہشت گرد' نہیں ہوتے اور نہ ہی تمام 'بنیاد پرست'، 'دہشت گردی' کی حمایت کرتے ہیں، کم از کم ایسی دہشت گردی کی حمایت نہیں کرتے جس میں عوام کو بھی نشانہ بنایا جائے اور جس میں دشمن کے ساتھ مسلمان بھی مارے جائیں۔ لیکن 'بنیاد پرست' بحیثیت مجموعی جدید معاشرتی اقدار اور بالخصوص 'تہذیب'، 'سیاست' اور 'معاشرت' کے مغربی تصورات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لیے مغرب کی طرف سے بنیاد پرستوں کے کسی بھی گروہ کی کسی بھی درجے میں مدد یا حمایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سوائے کسی وقتی چال کے طور پر۔

’روایت پسند‘ (Traditionalists)

’روایت پسند‘ ایک ’قدامت پسند‘ معاشرہ کے خواہاں ہیں۔ یہ ’جدیدیت‘، ’جدت‘، اور ’تبدیلی‘ جیسی اصطلاحات کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور پر ’روایت پسند‘، ’بنیاد پرستوں‘ کے مقابلے میں معتدل نظریات کے حامل ہوتے ہیں، لیکن ’روایت پسندوں‘ کے مختلف گروہوں میں واضح فرق موجود ہے اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بنیاد پرستوں کے قریب ہیں۔ روایت پسندوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو جمہوریت اور جدیدیت کی تہذیب و اقدار کو پورے دل سے قبول کرتا ہو، زیادہ سے زیادہ اتنا ممکن ہے کہ یہ کراہت کے ساتھ ان نظریات کے ساتھ گزارا کرلیں۔

’بنیاد پرستوں‘ کی طرح ’روایت پسندوں‘ کو بھی دو شاخوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. قدامت پرست (Conservatives)
2. اصلاح پسند (Reformists)

1. قدامت پرست (Conservatives)

’قدامت پرستوں‘ کا ماننا ہے کہ اسلامی قوانین اور روایات کی ہو بہو اور لفظ بہ لفظ پیروی ضروری ہے۔ ان کی نظر میں اسلامی قوانین و روایات پر اس انداز میں عمل درآمد کروانے کے لیے ریاست اور سیاسی قیادت کو اپنا فعال کردار ادا کرنا چاہیے یا کم سے کم درجے میں اس میں مددگار ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن روایت پسند عموماً ’دہشت گردی‘ کی حمایت نہیں کرتے۔

تاریخی طور پر یہ طبقہ مختلف اور بدلتے سیاسی حالات کے ساتھ چلنے کا عادی ہو چکا ہے، اس وجہ سے انہوں نے اپنا کردار معاشرہ کی روز مرّہ کی زندگی تک محدود کر لیا ہے، جہاں یہ اپنا زیادہ سے زیادہ اثر ورسوخ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں چاہے حکومت غیر اسلامی ہی کیوں نہ ہو۔ سماجی دائرے میں اس طبقہ کا ہدف یہ ہے کہ قدیم اور حقیقی اسلامی روایات کا تحفظ کیا جائے اور جتنا ہو سکے قدامت پرستی پر مبنی طرزِ عمل ہی اپنایا جائے۔ معاشرہ میں جدیدیت

کی ترغیب و تشہیر اور اس کے پھیلنے کی رفتار کو یہ طبقہ اپنے لیے اور اپنی اقدار کے لیے بڑا خطرہ تصور کرتا ہے اس لیے ان کا طرز عمل تبدیلی کی مخالفت کی طرف ہی مائل رہتا ہے۔

2. اصلاح پسند (Reformists)

'اصلاح پسندوں' کی نظر میں دنیا کے مختلف ادوار میں اپنی بقا کے لیے اور قابل عمل رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام، روایات و اقدار کی عملی تطبیق میں رعایت سے کام لے۔ یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اسلامی روایات و اقدار میں اصلاحات اور ان کی جدید تشریحات پر بات کی جاسکتی ہے۔ ان کی نظر میں شرعی قوانین کے الفاظ کی مختلف تشریحات کی جاسکتی ہیں لیکن اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ اس قانون کی اصل روح متاثر نہ ہو۔

'جدت پسند' (Modernists)

جدت پسند عالم اسلام کو عالمی جدیدیت کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام میں جدت اور اصلاحات لائی جائیں تاکہ یہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جائے۔ 'جدت پسند' اسلامی عقیدے و روایات کی موجودہ 'قدامت پرستی' پر مبنی تشریحات میں وسیع پیمانے پر تبدیلی چاہتے ہیں۔ ان کی نظر میں اسلام پر جس طرح نبی ﷺ کے زمانے میں عمل ہوتا تھا وہ اگرچہ بالکل حق ہے لیکن وہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے یعنی اُس وقت اسلام پر عمل اُس وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو رہا تھا جو کہ اب قابل عمل نہیں رہا۔ ان کی نظر میں اسلامی قوانین و روایات میں وقت، معاشرتی صورتحال اور تاریخی حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اگر بڑی بڑی تبدیلیاں بھی کرلی جائیں تو اس سے اسلام کے 'اساسی عقائد' پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

'جدت پسند' اسلام میں جن چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں اور پسند کرتے ہیں وہ ان سے بہت مختلف ہے جنہیں 'بنیاد پرست' یا 'روایت پسند' اہمیت دیتے ہیں۔ 'جدت پسندوں' کی نظر میں 'انسانی ضمیر کی دیگر چیزوں پر برتری'، ایک ایسا معاشرہ جو سماجی ذمہ داریوں پر قائم ہو، 'آزادی' اور 'مساوات'، اسلام کی اساسی اقدار ہیں۔ اور یہ اقدار جدید جمہوری اور مغربی روایات کے ساتھ بہت مطابقت رکھتی ہیں۔

'جدت پسند' طبقہ اپنے نظریات میں مغرب کے بہت قریب ہے لیکن اس طبقہ کی حیثیت مسلم معاشروں میں 'روایت پسندوں' اور 'بنیاد پرستوں' کے مقابلے میں بہت کمزور ہے، اور انہیں مسلم معاشروں کے اندر قبولیت عام حاصل نہیں ہے۔

'لادین' (Secularists)

لادین طبقہ کی نظر میں عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ مذہب اور ریاست میں تفریق کو تسلیم کر لے جس طرح مغرب نے تسلیم کیا اور مذہب کا تعلق خالصتاً انسان کی ذاتی زندگی کے ساتھ ہی رہے۔ ریاست مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے اور مذہب ریاست اور سیاسی معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے۔ ان کا ماننا ہے کہ اگرچہ ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرد کے انفرادی مذہبی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کرے لیکن مذہبی رسومات کو بھی 'انسانی حقوق' اور علاقے کے قوانین کے مطابق ہونا چاہیے۔

لادین بھی مذہب سے متعلق اپنی آراء میں دو طبقوں میں تقسیم ہیں:

1. عمومی لادین
2. متشدد لادین

1. عمومی لادین (Mainstream Secularists)

عمومی لادین طبقہ کا مطالبہ ہے کہ ریاست لوگوں کو آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کو یقینی بنائے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی یقینی بنائے کہ مذہب فرد کا ایک نجی معاملہ ہی رہے اور کسی قسم کے 'انسانی حقوق' اور 'شہری قوانین' کے کسی معیار کی خلاف ورزی نہ کرے۔

2. متشدد لادین (Radical Secularists)

متشدد لادین جن میں اشتراکیت پسند اور فرانسیسی لادینیت پسند شامل ہیں سرے سے مذہب کے وجود کے ہی مخالف ہیں[6]۔

مسلم معاشروں میں لادین طبقے جدت پسندوں سے بھی زیادہ کمزور حیثیت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ لادین طبقے نظریاتی وسعت رکھنے کی وجہ سے چونکہ امریکہ اور مغرب مخالف ملکوں کے حامی بھی بن جاتے ہیں (جیسے روس اور چین جیسے اشتراکی ممالک) اس لیے بھی اہداف کے حصول میں یہ مغرب کے قابل قبول حواری نہیں بن سکتے۔

[6] اگرچہ یہ دونوں طبقے بالاصل 'سیکولر' ہی کہلائیں گے لیکن پاکستان میں بالعموم معتدل لادین طبقے کو 'سیکولر' جبکہ متشدد لادین طبقے کو 'لبرل' کہا جاتا ہے۔

جمہوری اسلام کی ترویج کے لیے رفقاء کی تلاش

مغرب کے عالم اسلام میں 'جمہوری اقدار' کی ترویج اور اسلام کو ان کے مطابق ڈھالنے کا کام اتنا آسان نہیں بلکہ ایک انتہائی پیچیدہ اور طویل المدتی منصوبہ ہے۔ عالم اسلام میں موجود طبقات میں سے کون سا طبقہ اسلام کو 'جمہوری' کرنے کے عمل میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے اس کا انتخاب بہت حسّاس معاملہ ہے۔ اس حوالے سے کسی بھی قسم کی بے احتیاطی مغرب کے لیے برے نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔

نیچے عالم اسلام کے تمام طبقات کا اس نظر سے تجزیہ کیا گیا ہے کہ کونسا طبقہ اسلام کو 'جمہوری' کرنے کے ہدف کو حاصل کرنے کی کتنی اہلیت رکھتا ہے۔

'لادین' (Secularists)

تمام مغربی جمہوریتوں کی بنیاد ریاست اور چرچ کی تقسیم پر رکھی گئی ہے۔ اس سے ہونا تو یہی چاہیے کہ لادین طبقہ عالم اسلام میں مغرب کا سب سے زیادہ فطری حلیف ہو۔ لیکن ایسا ہونے میں ایک رکاوٹ ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ عالم اسلام کی زیادہ تر نامور لادین شخصیات ریاست اور چرچ کی علیحدگی کے معاملے سے ہٹ کر دیگر بہت سے معاملات میں مغرب کے ساتھ غیر دوستانہ بلکہ بعض تو شدید جارحانہ رویہ رکھتے ہیں۔ بائیں بازو کے نظریات، امریکہ مخالفت، متشدد قوم پرستی، اور ظاہری جمہوری لبادے کے پیچھے ایک آمرانہ نظام حکومت کی حمایت آج تک اس لادین طبقہ کا طرز عمل رہا ہے۔

اس معاملے میں دوسری بڑی رکاوٹ، مغربی دانشوروں اور پالیسی سازوں کا یہ مفروضہ بھی ہے کہ عالم اسلام لادینیت کے ساتھ اتنا موافق نہیں ہے جتنی کہ دیگر تہذیبیں ہیں کیونکہ مذہب اساسی طور پر سیاسی ہے اور اخروی معاملات کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاملات سے بھی متعلق ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دنیاوی معاملات سے زیادہ

متعلق ہے اور لادینیت کو عالم اسلام میں اتنی اقلیتی حیثیت حاصل ہے کہ اس کے ساتھ خود کو منسلک کرنا کوئی دانشمندانہ بات نہیں لگتی۔

لیکن فی الواقع یہ مفروضہ درست نہیں۔ اسلامی ممالک میں لادین حکومتوں نے نا صرف خود کو طاقت میں رکھا ہے بلکہ عوامی سطح پر مقبول بھی رہی ہیں، اس کے علاوہ بہت سی لادین تحریکوں کو بھی بڑی سطح پر عوامی حمایت بھی حاصل ہوئی ہے۔ عالم اسلام کی کامیاب ترین ریاستوں میں سے ایک، ترکی، نے اپنی ترقی جارحانہ لادینی پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے ہوئے حاصل کی ہے۔ ترکی ایک اسلامی حکومت سے تبدیلی کی ایک ڈرامائی مثال بھی ہے، جس میں ترکی نے ایک بہت ہی قلیل دورانیے میں مکمل اسلامی عثمانی سلطنت سے ایک لادین نظام کی طرف خود کو منتقل کر دیا۔ اس لیے مغربی پالیسی سازوں کی سوچ کے برعکس ترکی کی مثال اس معاملے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک رکاوٹ یہ بھی رہی کہ ماضی میں جب عالم اسلام میں قوم پرست اور اشتراکیت پسند حکمران طاقت میں تھے تو ان کی طرف سے امریکہ اور مغرب کی مخالفت کے رویے کو آسانی سے برداشت نہیں کیا جاتا تھا لیکن گیارہ ستمبر کے بعد جس جنگ کا آغاز ہوا اس سے عالم اسلام میں امریکہ، مغرب حتیٰ کہ مغربی اقدار کی جو مخالفت شروع ہوئی اس کو برداشت کرنا مغرب کی مجبوری بن گیا۔ مغرب جتنا آج بعض 'متشدد بنیاد پرستوں' کے معاملے میں تساہل کا مظاہرہ کر رہا ہے اگر اتنا ہی ماضی میں عالم اسلام کے قوم پرستوں اور اشتراکیت پسندوں سے کرتا تو شاید تاریخ کا دھارہ کچھ اور رخ اختیار کر لیتا۔

بنیاد پرستوں کے بعض ایسے کمزور پہلو ہیں جن کو بنیاد پرست طبقہ کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے لادین طبقہ کے ساتھ مل کر کام کیا جا سکتا ہے:

1. اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ 'متشدد بنیاد پرست' جب حکومت مخالف کردار سے آگے نکل کر خود طاقت میں آجاتے ہیں تو اپنے جابرانہ اور متشدد طریقہ کار کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنا مخالف بنا لیتے ہیں۔ مغرب کو ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ عوام میں موجود یہ مخالفت زیادہ سے زیادہ بڑھے اور پھر ایک تصادم کی

شکل اختیار کر جائے، اور پھر اس تصادم سے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کیے جائیں۔ اُس علاقے کی عوام جو کسی جابر بنیاد پرست حکومت کے تحت زندگی گزار رہی ہو اس کو اگر جدت پسندی اور لادینیت کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی طرف زیادہ آسانی سے متوجہ ہو سکتی ہے۔ یہ حکمت عملی کافی حد تک ایران میں کامیاب بھی ہوئی ہے، خاص طور پر طلبہ اور نوجوان طبقہ میں۔

اسی طرح طالبان کی حکومت کے دور میں افغانستان میں دیندار روایت پسند طبقہ جو 'غیر ملکی طالبان' کا ان پر حکم چلانا اپنی توہین سمجھتے تھے اور شہروں کا متوسط اور نوجوان طبقہ جو زیادہ 'آزادی' اور 'ترقی' کا خواہاں تھا، طالبان کے اسلام کو رد کرنے میں متحد تھے۔ اس تصادم نے دیہاتی اور بڑی عمر کے طبقہ میں روایت پسندی جبکہ شہری اور نوجوان طبقہ میں ابتدائی درجے کی لادینیت کو ترویج دی۔

2. اسی طرح بنیاد پرست اور روایت پسند دونوں یہ الزام لگاتے ہیں کہ زیادہ تر معاشرتی مسائل کی جڑ لادین مغربی اقدار ہیں، جبکہ اسلامی نظام اخلاقی اقدار اور خاندانی نظام کو مضبوط کرتا ہے اور جرائم کی شرح میں کمی آتی ہے۔ لیکن ایران کے حالات ان سب دعوؤں کے خلاف ایک مضبوط دلیل ہیں۔ دہائیوں کی سخت اسلامی طرز حکومت کے باوجود آج بھی ایران کم از کم اتنا ہی معاصر معاشرتی مسائل سے متاثر ہے جتنا کہ کوئی بھی نظام حکومت میں 'کم تر' مغربی ملک۔ منشیات کی عادت معاشرہ میں عروج پر ہے، جرائم کی شرح میں مستقل اضافہ، نوجوانوں کا گھر سے بھاگنا اور عصمت فروشی معاشرہ کے بڑے بڑے مسائل ہیں۔ عصمت فروشی کا مسئلہ تو اتنا زیادہ ہے کہ حکومت کو سنجیدگی سے علماء کے زیر انتظام 'سرکاری قحبہ خانے' کھولنے پر غور کرنا پڑا، جہاں نوجوانوں کی 'عارضی شادیاں'[7] کی جا سکیں تاکہ اس مسئلے پر کسی حد تک قابو پایا جا سکے۔ نہ تو شرعی سزاؤں کا اجرا ان معاشرتی مسائل کے راستے میں حائل ہو سکا اور نہ ہی حکومت کی طرف سے لاگو کیا گیا اسلامی طرز عمل ان مسائل کو قابو سے باہر ہونے سے باز رکھ سکا۔

[7] نکاحِ متعہ

ایران کی مثال ان دعوؤں کو رد کرنے کا ایک سادہ اور مجرب راستہ فراہم کرتی ہے کہ مغربی جمہوریت کی 'آزادیاں' اصل مسئلہ ہیں اور جبراً نافذ کیا گیا اسلام ہی مسئلے کا حل ہے۔ ایران میں اسلامی نظام حکومت کی ناکامی کو زیادہ سے زیادہ مشہور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ باتیں عالم اسلام کی عوام میں اتنی مشہور نہیں ہیں اس لیے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ شرعی قوانین جرائم کی روک تھام کرتے ہیں اور اسلام اور اسلامی قوانین کا سختی سے نفاذ ہی معاشرتی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

بنیاد پرست (Fundamentalists)

یہ بات واضح ہے کہ 'شدت پسند بنیاد پرست' جدید جمہوریت اور مغربی اقدار سے متعلق بالعموم اور امریکہ سے متعلق بالخصوص معاندانہ رویہ رکھتے ہیں، مجموعی طور پر ان کے اہداف اور تصورات مغربی تصورات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے، اور مغرب ان کا مخالف ہے اور یہ مغرب کے مخالف۔

بعض ماہرین کی رائے رہی ہے کہ 'شدت پسند بنیاد پرستوں' کے ساتھ بھی کام کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے اس امید پر کہ ساتھ مل کر چلنے سے ان کی رائے ہمارے متعلق شاید نرم ہو جائے اور ان میں بتدریج تبدیلی لائی جاسکے۔ خاص طور پر ایسے علاقوں میں جو بالاصل مغربی مفادات کے لیے مرکزی اہمیت کے حامل نہیں ہیں، جیسے افغانستان۔ بعض ماہرین کی رائے تو یہاں تک رہی کہ ان پر ہمیں اپنے عمومی معیارات کو لاگو نہیں کرنا چاہیے اور اس چیز کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان کے ساتھ چاہے بہت معمولی نوعیت کی ہی کیوں نہ ہو لیکن کسی درجے کی موافقت پیدا ہو جائے اور پھر یہ اپنے ملک کو کس طرح چلاتے ہیں اس سے آنکھیں پھیر لی جائیں۔

لیکن گیارہ ستمبر کے واقعات اس نقطہ نظر کو قبول کرنے میں مانع رہے ہیں جس کی دو بڑی واضح وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ مغربی ماہرین اور پالیسی ساز یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے دور دراز کے علاقوں کو نظر انداز کر دینے سے یہ علاقے مغرب کے دشمنوں کی پناہ گاہیں بن جاتے ہیں اور ماضی میں شدت پسند بنیاد پرستوں کے جن نظریات کو سطحی اور بے تکا

تصور کیا جاتا تھا وہ توقع سے کہیں زیادہ مضبوط اور خطرناک ثابت ہوئے۔ اس لیے شدت پسند بنیاد پرستوں کے ساتھ موافقت کوئی قابل عمل چیز نہیں۔

لیکن جہاں تک مسلکی بنیاد پرستوں کا تعلق ہے تو ان کے ساتھ مغرب معاندانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا بلکہ جیسے پہلے سے چلا آرہا ہے اُسی طرح اسٹریٹیجک معاملات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ مخصوص معاملات میں اتحاد قائم رہنا چاہیے۔ اس کی واضح مثال سعودی عرب ہے۔ اسی طرح ایران بھی مسلکی بنیاد پرستوں کے زمرے میں آتا ہے اس لیے اس کے ساتھ بھی کسی درجے کی مصالحت اور نئے سرے سے طے کیے گئے سیاسی تعلقات کا امکان ہمیشہ زیر غور رہا ہے۔

سعودی عرب سے متعلق امریکہ کی حکمت عملی وہاں کے جغرافیائی سیاسی حالات اور معاشی اور دیگر ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے بنائی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکہ اس حکومت، اس کی طرز زندگی اور اس کے نظریات کی کسی بھی درجے میں توثیق کرتا ہے۔ لیکن اس طرح کے اتحاد کے اپنے نقصانات ہیں۔ اس سے امریکہ کی ساکھ متاثر ہوتی ہے اور یہ نظر آتا ہے کہ امریکہ میں ہمت کا اور اصولوں کی پاسداری کا فقدان ہے۔ مثال کے طور پر جب امریکہ افغانستان میں طالبان اور القاعدہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا تو اس کے ساتھ ساتھ میڈیا پر اس حملے کی وجوہات کی وضاحت بھی دی جارہی تھی کہ ایسی پسماندہ اور جابر حکومت کو طاقت سے ہٹانا اور اسے اپنی عوام پر ظلم کرنے سے روکنا ضروری ہے۔ اس موقع پر تقاریر میں جو طالبان کی طرف سے انسانی حقوق کی پامالی کی مثالیں دی جاتی تھیں تو ان میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا کہ جن طریقوں کی مذمت کی جارہی ہے وہ ان طریقوں سے مماثلت تو نہیں رکھتے جو امریکہ کے 'دوست' سعودی بھی اپناتے ہیں۔

بہت سے دانشور یہ سمجھتے ہیں کہ بنیاد پرستوں کی امریکہ اور مغرب کی مخالفت کی اصل وجہ مغربی خارجہ پالیسی کے بعض امور پر غصہ اور مغربی تہذیب کی آزاد خیالی سے ناپسندیدگی ہے۔ اگرچہ ان امور کا بھی اپنا کردار ہے لیکن یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ 'بنیاد پرستی' جمہوریت اور جدید معاشرت کے جوہری اقدار کو اساسی اور مکمل طور پر رد کرتی

ہے۔بنیاد پرستوں کو مسئلہ نہ تو جمہوریت کی غیر معیاری تطبیق سے ہے، نہ اس کے قوم پرستانہ رجحان سے یا اس کی کسی بھی اور خامی سے، بلکہ مسئلہ خود جمہوریت ہے۔

روایت پسند (Traditionalists)

پہلی نظر میں روایت پسندوں میں ایسی بہت سی خصوصیات نظر آتی ہیں جو انہیں 'جمہوری اسلام' کی ترویج میں مغرب کا ممکنہ شراکت دار بنا سکیں:

- یہ بنیاد پرستوں کا مقابلہ کرنے میں بہت کارآمد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کی مسلم عوام میں قبولیت بنیاد پرستوں کے مقابلے میں زیادہ بڑے پیمانے پر ہے۔
- یہ بنیاد پرستوں کے مقابلے میں زیادہ میانہ روی پر مائل اور زیادہ 'اعتدال پسند' ہیں۔
- یہ ناصرف بین المذاہبی مکالمے کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے خود بین المذاہبی مکالمے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔
- یہ عموماً تشدد کی دعوت نہیں دیتے، اگرچہ ان میں سے بعض ان بنیاد پرستوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں جنہوں نے تشدد کا راستہ اپنایا، اس حد تک کہ انہیں پناہیں، وسائل اور کاروائیوں میں معاونت تک فراہم کرتے ہیں۔

جہاں بنیاد پرست گروہوں میں عموماً نوجوان طبقہ ہی شامل ہوتا ہے وہاں روایت پسند عمومی معاشرہ کی ترجمانی کرتے ہیں جن میں خاندان، بزرگ، خواتین اور سکول جانے والے بچے سبھی شامل ہیں۔ یہ منظم طبقہ ہے، ان کے پاس تنظیمی ڈھانچے، راہنما، اور عوامی نمائندگی کے تمام ضروری اجزاء جیسے کتابیں، تقاریر، عوامی تقریبات، کانفرنسیں اور انجمنیں موجود ہیں۔ یہ طبقہ معاشرہ میں بہت نمایاں اور اس تک رسائی بہت آسان ہے۔

'روایتی اسلام' میں ایسی خصوصیات موجود ہیں جو 'جمہوری' اور 'انسانی مساوات' پر مبنی اقدار کی حمایت کرتی ہیں۔ ان خصوصیات کو نمایاں کرتے ہوئے اسے اسلام میں 'اصلاحات' کی تائید کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ان سب وجوہات کی بنا پر روایت پسند طبقہ 'جمہوری اسلام' کی ترویج کے لیے مغرب کا بنیادی ایجنٹ بننے کے لیے سب سے موزوں نظر آتا ہے اور ایسا نظر آرہا ہے کہ مغرب کی زیادہ توجہ بھی اسی طبقہ پر مرکوز ہے۔

لیکن بعض ایسی رکاوٹیں بھی موجود ہیں جو روایت پسندوں کو جدید جمہوری اسلام کی ترویج میں مرکزی کردار دینے میں مانع ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان فرق

عموماً روایت پسندوں کو بنیاد پرستوں سے جدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے راہنماؤں اور گروہوں کو روایت پسند سمجھنے کی غلطی آسانی سے ہو سکتی ہے جو اپنی شدت پسندوں سے وابستگی کو روایت پسندی کے پردے کے پیچھے چھپاتے ہیں۔ لیکن چاہے عمداً اس طرح گمراہ نہ بھی کیا جائے پھر بھی عموماً ان دونوں گروہوں کے نظریات اور آراء ایک دوسرے سے اتنی قریب ہوتی ہیں کہ بعض اوقات ان میں حقیقی فرق ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ روایت پسند اور بنیاد پرست بہت سارے امور پر ایک جیسی رائے رکھتے ہیں اور بنیاد پرست، روایت پسندوں کی مساجد، انجمنوں اور خیراتی اداروں کو اپنی آڑ اور مدد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بعض حساس موضوعات ایسے ہیں جن میں روایت پسند کسی بھی اور طبقہ کی نسبت بنیاد پرستوں کے زیادہ قریب ہیں۔ ان موضوعات میں، نفاذِ شریعت، مغرب اور امریکہ سے متعلق رویہ، اختلاطِ مرد وزن کی نوعیت، عورتوں کا معاشرہ میں مقام، ایک مثالی نظام حکومت کی ساخت اور اس کے علاوہ بہت سے معاشرتی اور قانونی امور شامل ہیں۔

حتیٰ کہ اصلاح پسند بھی، جن کے معاشرتی اور طرزِ زندگی سے متعلق امور میں نظریات 'عالمی جدیدیت' سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں، عالمی سیاست کے معاملات میں مغرب کی نسبت بنیاد پرستوں کے زیادہ قریب ہیں۔

روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان اختلاط بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اور گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد کے عرصے میں ان دونوں طبقوں کے درمیان اشتراک مزید واضح ہوتا چلا گیا کہ کیسے یہ دونوں مساجد کے استعمال، دینی اجتماعات اور مسلم خیراتی اداروں کی شکل میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ شدت پسند بڑے اطمینان سے

روایت پسندوں کے حلقوں میں حرکت کر سکتے ہیں اور ان کے نظام اور سہولیات کو اپنے فائدے کے لیے استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔

مجموعی طور پر روایت پسندوں کا نقطہ نظر، جدید مغرب بالخصوص امریکہ سے بد اعتمادی، غصہ اور عداوت پر مشتمل ہے۔ یہ وجوہات انہیں بنیاد پرستوں سے علیحدہ طور پر دیکھنا مشکل کر دیتی ہیں۔

روایت پسندوں میں موجود مغرب کے لیے ممکنہ کارآمد جمہوری عناصر

روایت پسندوں کے نظریات میں جمہوری عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان عناصر کو اسلام میں 'اصلاحات' کی تائید کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے مغرب کو کافی محنت کی ضرورت ہو گی۔ روایت پسندوں کی جانب سے، شدت پسندوں کی طرف سے مذہب کی 'منفی تصویر کشی' کی تردید میں، بڑی مقدار میں تحریری مواد شائع ہوا ہے جس میں اسلام کا 'نرم اور لطیف' رخ دکھایا گیا ہے۔ ان کتابوں میں عموماً اسلام کے معاشرتی طور پر مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے اور ان طریقوں کی تاویلات ڈھونڈنے یا اس کی نرم تشریحات کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں آج کے زمانے میں ظالمانہ تصور کیا جاتا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نہ صرف اسلام جدید زمانے کے اصولوں ('جمہوریت'، 'مساوات'، 'معاشرتی فلاح'، تعلیم وغیرہ) کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے بلکہ حقیقت میں اسلام ہی نے یہ اصول پہلے متعارف کروائے ہیں۔

ان کے لہجے کو چھوڑ کر، جو کہ مدافعانہ اور معذرت خواہانہ ہوتا ہے، ان تحریرات میں ایسے مؤقف اور فلسفے پیش کیے گئے ہیں جو کہ 'جدید معاشرتی اقدار' کے ساتھ میل نہیں کھاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب اور روایت پسندی کی نظریاتی اساس آپس میں مطابقت نہیں رکھتی۔ جدید جمہوریت کا انحصار 'روشن خیالی' کی اقدار پر ہے، جبکہ روایت پسندی ان اقدار کی مخالفت کرتی ہے اور انہیں شر و فساد کا منبع گردانتی ہے۔ روایت پسندی جدید جمہوری ذہن کی بنیادی ضروریات کے متضاد ہے، جن میں 'تنقیدی سوچ'، 'انفرادی آزادی' اور 'لادینیت' شامل ہیں۔ ایک وقت تک ان اختلافات کی ملمع سازی تو کی جا سکتی ہے لیکن یہ دور نہیں ہو

سکتے اور جلد یا بدیر یہ نقطہ نزاع تک پہنچ جائیں گے۔

جدید جمہوری معاشرے شرعی قوانین کی حمایت نہیں کر سکتے جبکہ روایت پسندی ان کا مطالبہ کرتی ہے۔ جدیدیت، زنا کے ارتکاب میں موت کی سزا یا دیگر جرائم میں کوڑے اور ہاتھ کاٹنے کی سزاؤں کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ یہ نہ جنس کی بنیاد پر تفریق کے ساتھ، نہ ہی عائلی قوانین، انصاف اور سیاسی اور سماجی زندگی میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے ساتھ موافق ہو سکتی ہے۔ سب روایت پسند ان سب چیزوں کو نافذ نہیں کرنا چاہتے لیکن یہ سب کچھ چیزوں کا پورا دفاع کرتے ہیں اور باقی چیزوں کے متعلق کم از کم متردد ضرور ہیں۔ اصلاح پسند چاہے ان سب طریقوں کی بحالی نہیں بھی چاہتے لیکن وہ ان اصولوں کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں جن کی بنیاد پر یہ طریقے بنے ہیں۔

مغرب میں داخلی طور پر ردّعمل کا خدشہ

مغرب میں داخلی طور پر مغربی باشندوں کی طرف سے روایت پسندوں کے خلاف ردّعمل کا خدشہ موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق اسلامی روایت پسندی کا مغربی تہذیب سے متعلق انتہائی ناقدانہ بلکہ توہین آمیز رویہ ہے۔ اس لیے لادین مغربی باشندوں کے لیے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ ایک طرف تو وہ اس تنقید کو برداشت کریں کہ مغرب اخلاق باختہ اور کم ظرف ہے، اس کی تاریخ ظلم سے بھری پڑی ہے اور دیگر دنیا میں پائے جانے والے بہت سے مسائل کا اصل ذمہ دار مغرب ہے، اور دوسری طرف ان سے یہ توقع بھی رکھی جائے کہ وہ اسلام سے پسندیدگی کا اظہار کریں اور ایک لادین دنیا کے اندر ان کے مذہبی مطالبات کو بھی جگہ دینے کی کوشش کریں۔

مغرب میں عموماً دائیں بازو کا سیاسی طبقہ ہی ایسا تھا جو تارکینِ وطن خاص طور پر مسلمان تارکین وطن کے مختلف طرزِ زندگی اور اقدار سے نالاں رہتا تھا اور اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی اقلیتیں، اگر خود کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنے سے انکار کریں تو وہ، مغربی شناخت اور بنیادی مغربی اقدار کے لیے خطرے کا باعث ہیں۔ لیکن اب یہ آراء دائیں بازو کے سیاسی طبقہ سے نکل کر بڑے پیمانے پر مغربی عوام میں پھیل گئی ہیں۔ اور اب بہت سے مغربی ملکوں میں نئی قانون سازیاں کی جا رہی ہیں تا کہ تارکین وطن کو زیادہ سے زیادہ مغربی تہذیب کے

رنگ میں رنگا جاسکے۔

خوف، لاعلمی، حقائق کا سامنا کرنے سے اجتناب، دائیں بازو کے نظریات کی مضبوطی اور معاشرتی عدم رواداری کا اور نسل پرست نظر آنے کا خدشہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے مغربی حکومتوں اور دانشوروں نے ایسا طرز عمل بنایا جس نے مسلمان شدت پسندوں اور دہشت گردوں کو مغرب میں رہنے اور کام کرنے کے آسان مواقع فراہم کر دیے۔ غلط پالیسیوں اور لاپرواہی کے نتیجے میں اسلام کا 'اعتدال پسند' اور 'روشن خیال' چہرہ پیچھے چلا گیا اور اس کی جگہ شدت پسندوں اور قدامت پرستوں کی چھوٹی لیکن جارح اقلیت مغرب میں مسلمان طبقہ کی خود ساختہ راہنما بن بیٹھی۔ انہیں مساجد اور کلچرل سینٹر کا وسیع نظام چلانے کی اجازت دی گئی جو دہشت گردوں اور شدت پسندوں کے سیل بن گئے جہاں سے وہ عوامی آراء اور ملکی قانون سازی کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

مغرب کی ساکھ متاثر ہونے کا خطرہ

روایت پسندوں کے ساتھ بہت زیادہ موافقت مغرب کی ساکھ کو کمزور کر سکتی ہے۔ روایت پسندوں کے ساتھ کیے گئے اتحاد کی وجہ ان کی دلجوئی اور ان سے خوف کو سمجھا جاسکتا ہے۔ بعض ناقدین کی رائے میں امریکی قائدین کی طرف سے بہت زیادہ مصالحت آمیز انداز سے مسلمان یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ امریکہ پسپائی اختیار کر رہا ہے۔

بعض ناقدین کی رائے میں مغرب کو اپنی اقدار کے ساتھ سختی سے چمٹے رہنا چاہیے ۔ یک طرفہ طور پر مصالحت کی کوششوں سے مغرب کی اخلاقی برتری ختم ہو جائے گی جبکہ مخالف اس حوالے سے زیادہ مضبوط سطح پر آجائے گا۔ اس طرح کا طرز دوستی کی بجائے کمزوری ظاہر کرتا ہے۔

عالم اسلام کے مختلف حصوں سے مغربی تہذیب کی بنیادی اقدار کو چیلنج کیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر 'انسانی حقوق کی آفاقیت'۔ یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ یہ اصطلاح مغرب کی ایجاد ہے۔ اور اس کا اطلاق عموم پر نہیں بلکہ مخصوص تہذیب پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہا جارہا ہے کہ بالاصل 'انسانی حقوق' شریعت کے تابع ہونے چاہییں۔

جدیدیت کی بنیادی اقدار کو معطل کر دینا اس امید پر کہ جواب میں بھی اسی طرح کی رواداری دکھائی جائے گی ایک خطرناک طرز ہے جس کے نتیجے میں مخالف فریق کی مزید ہمت بڑھے گی۔ جب بنیادی اقدار پر ہی حملہ کیا جارہا ہو تو پھر زیادہ اہم یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیادی اقدار کے ساتھ مزید چمٹا جائے۔

اصلاحات کی کوششوں کی بیخ کنی کا خطرہ

روایت پسندی سے موافقت کے نتیجے میں عالم اسلام میں اصلاحات کے رجحان کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ مغرب کا روایت پسندوں کا زیادہ ساتھ دینے سے عالم اسلام میں جو داخلی طور پر اصلاحات کی کوششیں کی جارہی ہیں اس میں مداخلت ہو گی۔ مغرب کی طرف سے اس طرح کا مؤقف اُس طبقہ کو مزید نقصان پہنچانے کا باعث بنے گا جو صحیح معنوں میں مغرب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، یعنی 'جدت پسند'۔

جدت پسند (Modernists)

جدت پسندوں کا نقطہ نظر مغرب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ تمام طبقات میں یہ طبقہ جدید جمہوری معاشرہ کی روح اور اقدار کے ساتھ سب سے زیادہ موافقت رکھتا ہے۔

روایت پسندوں کی بجائے جدت پسند مغرب کے لیے سب سے زیادہ کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ اصل دینی عقیدے سے انحراف کرنے، اس میں تبدیلی کرنے یا اس کے مخصوص اجزاء کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ قرآن کی طرح 'عہد نامہ قدیم' میں بھی بہت سے اصول و ضوابط درج ہیں جن کو معاشرہ میں لاگو کرنے کا کہا گیا ہے لیکن جدید مغربی معاشرہ ان کو لاگو کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور زیادہ تر اب غیر قانونی ہیں۔ لیکن اس سے مغرب میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا کیونکہ مغرب میں اب شاذ ہی کوئی ہو گا جو ان اصول و ضوابط کو لفظ بہ لفظ لاگو کرنے کی بات کرے۔ اس کی بجائے مغرب اب ان اصول و ضوابط کو تاریخ کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہی طرز عمل عالم اسلام میں جدت پسندوں کا بھی ہے۔

جدت پسندوں کی کمزوریاں

نظریاتی سطح پر، جدت پسند 'جمہوری اسلام' کی ترویج وترقی کے لیے مغرب کے پاس سب سے معتبر ذریعہ ہیں، لیکن موجودہ حقائق کی روشنی میں ان کی کچھ ایسی کمزوریاں ہیں جو ان کے اثر کو بہت محدود کر دیتی ہیں۔

جدت پسندوں کی سب سے بڑی کمزوری جو دیگر کمزوریوں کی بھی مؤجب ہے وہ معاشی ہے۔ بااثر افراد بنیاد پرستوں کی پشت پناہی کرتے ہیں اور انہیں، وسائل، زرمبادلہ، سازوسامان، اسلحہ، میڈیا تک رسائی اور تعلیمی اور فلاحی اداروں پر کنٹرول فراہم کرتے ہیں۔

روایت پسند بھی مسلم معاشروں میں وسیع اثر ورسوخ اور وسائل رکھتے ہیں۔ یہ زکوۃ، خیرات، صدقات وغیرہ جمع کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی کاروبار اور اداروں کی شکل میں ان کے آمدن کے آزاد ذرائع ہوتے ہیں۔ مسجدوں، درسگاہوں، سماجی اور فلاحی تقاریب میں یہ اپنا وسیع حلقۂِ اثر رکھتے ہیں۔ بنیاد پرست اور روایت پسند دونوں کے اپنے ناشر ادارے، ٹی وی چینل، درس گاہیں اور اخبارات ورسائل وغیرہ موجود ہیں۔ جدت پسندوں کے پاس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

جدت پسندوں کی دوسری بڑی کمزوری سیاسی ہے۔ جدت پسندوں کے لیے، جو بنیاد پرست یا روایت پسند ماحول میں زندگی گزارتے ہیں اور سیاسی طور پر متحرک بھی ہوتے ہیں، کوئی خاطر خواہ تعاون حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ان کا طرز عمل انہیں مستقل خطرے میں رکھتا ہے۔ ان پر ارتداد کا الزام لگ سکتا ہے، انہیں عدالتوں میں گھسیٹا جا سکتا ہے، ان کے لکھنے اور کام کرنے پر پابندی لگ سکتی ہے اور دیگر بہت سے طریقوں سے ان کو ہراساں کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ انہیں موت کی سزا بھی سنائی جا سکتی ہے۔

جب تک جدت پسند انفرادی سطح پر کام کرتے رہیں گے یہ ان کی کمزوری رہے گی لیکن اگر ان کو تعاون حاصل ہو جائے اور یہ تحریک کی شکل اختیار کر لیں تو یہی کمزوریاں ان کے لیے سرمایہ بن سکتی ہیں، اس طرح کہ دیگر

لبرل اور شہری حقوق کی تحریکوں کی طرح بعض افراد جیل جانے کو تیار ہوتے ہیں، تاکہ وہ 'ہیرو'، 'رول ماڈل' اور 'لیڈر' کے طور پر سامنے آسکیں۔

مغرب میں یا دیگر جدید معاشروں میں جدت پسندوں کی کمزوری دوسری نوعیت کی ہے۔ ان معاشروں میں جدت پسندوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اور مکمل طور پر معاشرہ میں ضم ہو جائیں۔ نہ تو یہ ایسی سنسنی خیز آراء کے حامل ہوتے ہیں جو سننے میں دلچسپ لگیں اور نہ ہی اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرتے ہیں کہ جس سے توجہ ان کی طرف مبذول ہو۔ یہ عوامی اشاعت کا مواد لکھنے کی بجائے علمی تحاریر اور اداریے لکھنے کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا کام عوام کی اکثریت تک نہیں پہنچ پاتا، خاص طور پر نوجوان طبقہ تک۔

امریکہ اور مغرب میں مقیم جدت پسند یونیورسٹیوں کے پروفیسر بنتے ہیں لیکن مدارس کے استاد یا مساجد کے خطیب نہیں بنتے۔ ان کا لباس بھی سب مغربی باشندوں جیسا ہوتا ہے اس لیے یہ کسی بھی ایسے صحافی کی توجہ کا مرکز نہیں بن پاتے جو 'امریکہ میں مسلمان' کے موضوع پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔ یہ معاشرتی طور پر اپنی علیحدہ شناخت رکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے انہیں ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کو اسلامی کلچرل سنٹرز میں ڈھونڈا نہیں جا سکتا۔ چونکہ یہ اپنی بنیادی شناخت کو اسلام سے نہیں جوڑتے اس لیے یہ کسی اسلامی تنظیم وغیرہ کا حصہ بننے میں بھی دلچسپی نہیں لیتے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ بہت نمایاں نظر نہیں آتے۔

جدت پسندی کی دو مخصوص صورتیں

جدت پسندی کی دو مخصوص صورتوں کو علیحدہ سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایک مغرب میں رہنے والے مسلمان اور دوسرا نوجوان طبقہ۔

مغرب میں رہنے والے مسلمان

لاکھوں مسلمان تاریخی اسلامی مرکز سے باہر رہتے ہیں اور مغرب میں پلے بڑھے ہیں، جہاں انہوں نے یا تو اپنی علیحدہ اجتماعیت اور ذیلی ثقافت بنالی ہے یا پھر غالب معاشرہ کا جز بن گئے ہیں۔ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی دو اقسام ہیں:

1. یورپی مسلمان
2. امریکی مسلمان

1. یورپی مسلمان

مشرقی یورپ میں بالکن خطے کے مسلمان جس اسلام پر عمل پیرا ہیں وہ اسلام کی معاشرہ کے رنگ میں رنگی ہوئی اور جدت پسند قسم ہے۔ مشرقی یورپ مغرب اور اسلام کی دوستی اور تعاون کی بھی ایک ڈرامائی مثال فراہم کرتا ہے، جیسے ظلم و جبر کے شکار بوسنیائی اور البانی مسلمانوں کی خاطر مغرب کی مداخلت (اس بات سے قطع نظر کہ یہ مداخلت خاصی تاخیر سے کی گئی)۔ بالکن کے مسلمان زیادہ تر عالم اسلام کی نسبت اعلیٰ سطح کی ترقی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اِس سے یہ اظہار ہو سکتا ہے کہ اسلام کی مغرب کے ساتھ دوستی ممکن ہے اور یہ کہ جمہوری اقدار کو اپنانے سے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں اور معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔

مغربی یورپ میں نوّے لاکھ کے قریب مسلمان بستے ہیں۔ اگرچہ اس اجتماعیت میں شدت پسند اور دہشت گرد تنظیموں کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان کی اکثریت کا تعلق جدت پسند اور سیکولر مسلمانوں سے ہے۔ اسی اجتماعیت سے تعلق رکھنے والے ایک دانشور بسام طیبی کے بقول "یورپی اسلام کی ترقی وترویج تباہ کن اسلامی شدت پسندی کے خلاف فصیل کا کام کر سکتی ہے"۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ جانا جائے کہ جدت پسند یورپی مسلمانوں کے عقائد و نظریات کیا ہیں اور وہ اسلام پر عمل کس طرح کرتے ہیں۔ اسلام کے جدیدیت کے ساتھ اس اختلاط کو پذیرائی دی جائے، اور پوری کوشش کی جائے کہ اسلام کی اس قسم کو مدون کیا جائے اور اس کو پھیلایا جائے،

بجائے اس کے کہ روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کو، جو کہ ایک اقلیت ہیں، یہ موقع ملے کہ وہ یورپ میں بھی اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کریں۔

2. امریکی مسلمان

امریکہ میں روایت پسند اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لیکن یہ نمائندگی امریکہ میں مسلمانوں سے متعلق معاشرتی حقائق کی عکاس نہیں ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ امریکہ اور یورپ میں بنیاد پرست اور روایت پسند اقلیت میں ہیں۔ لیکن ان کی اسلام کی ترجمانی کرنے اور یہ باور کروانے اور عوامی رائے بیان کرنے کی صلاحیت ان کی تعداد اور معاشرہ میں ان کے مقام سے کہیں زیادہ ہے۔

اس صورتحال کو بہتر کرنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں جمہوریت کی ترقی اور ترویج کے ساتھ ساتھ ان میں سے اٹھنے والی سِوَل سوسائٹی اور دیگر ثقافتی تنظیموں کو زیادہ سے زیادہ تعاون فراہم کیا جائے۔ مغربی مسلمانوں کے مصنوعی طور پر زیادہ 'اسلامی' نظر آنے کو درست کیا جا سکتا ہے اگر ان کی شناخت کے دیگر پہلوؤں کو زیادہ توجہ دی جائے مثلاً موسیقی اور ثقافت وغیرہ۔

روایت پسندوں کو امریکہ میں کسی درجہ کی فوقیت حاصل ہے۔ وہ بے باک اور نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اداروں، مساجد اور کمیٹیوں کی شکل میں انتظامی ڈھانچہ موجود ہے۔ یہ باہر سے سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کے ذرائع عالمی طور پر انہیں پھیلانے کے لیے سستا تحریری مواد فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے بحث و مباحثہ میں بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کو اس وقت غلبہ حاصل ہے۔ اسلام سے متعلق عوام کو مخاطب زیادہ تر کتابیں یا تو انہی بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں یا پھر انہی کے نظریات کی عکاسی کرتی ہیں۔

امریکی ثقافت کے بعض پہلو بھی روایت پسندوں کے لیے فائدے کا باعث بن جاتے ہیں۔ چونکہ اس طبقہ کے افراد سب سے زیادہ اسلامی لباس میں نظر آتے ہیں اس لیے جب صحافیوں کو امریکی مسلمانوں کے بارے میں کچھ لکھنا ہو اور انہیں تصویر کی ضرورت ہو تو یہ طبقہ تصویر کے لیے زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔ سیاست دان بھی اسی وجہ سے ان کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اسلامی لباس میں نظر آنے والے مسلمانوں کے ساتھ تصویر میں نظر آنے سے زیادہ واضح پیغام جاتا ہے کہ یہ سیاست دان مسلمانوں کو بھی توجہ دے رہے ہیں۔ اور یہ اسلوب جغرافیائی اور سیاسی حقائق کی ایک تبدیل شدہ شکل دکھاتا ہے۔

نوجوان طبقہ

شدت پسند نوجوانوں کو منظم اور متحرک کرنے میں بہت کامیاب رہے ہیں۔ پاسدارانِ انقلاب، طالبان، حماس، اسلامی جہاد، القاعدہ، سب کے سب نوجوانوں کی حمایت پر انحصار کرتے ہیں۔

بنیاد پرستوں میں بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو انہیں بے چین نوجوان طبقہ کی توجہ کا مرکز بناتی ہیں۔ لیکن ان میں ایسی کمزوریاں بھی موجود ہیں جو نوجوان طبقہ کو ان کے خلاف کر سکتی ہیں۔

نوجوانوں کی بنیاد پرستی میں دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشتعال انگیز اور متشدد ہے اور بظاہر انصاف اور مظلوموں کے حق میں کھڑی نظر آتی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے تناظر میں اسلامی شدت پسندی نے، کرپٹ، بیرونی امداد پر چلنے والی یا صرف فقط ناکام حکومتوں سے نمٹنے کا اور فلسطینیوں کے ساتھ اپنی ہمدردی اور یکجہتی کے اظہار کا ایک ذریعہ فراہم کیا ہے۔ مغرب میں شدت پسندی معاشرہ کی اکثریت کے لیے انتشار اور گھبراہت کا موٗجب ہے جو کہ اسے نوجوانوں کی طرف سے عدم اطمینان کے اظہار کا ایک آسان ذریعہ بنا دیتی ہے۔

بنیاد پرستوں کا نظریاتی ابہام انہیں اس قابل کر دیتا ہے کہ وہ مختلف اقسام کے انفرادی سیاسی ایجنڈے اور شکوے شکایات کو اپنے پیغام میں شامل کر سکتے ہیں۔ ان کے اہداف وسیع اور مبہم ہوتے ہیں۔ جیسے 'کرپشن کا خاتمہ'،

'معاشرتی انصاف کا حصول'، 'اعلیٰ اخلاقی معیارات رائج کرنا' اور 'دیگر دنیا سے اسلام کا احترام کروانا' وغیرہ۔ بنیاد پرستی، انا کی تسکین، اپنی شناخت کے اظہار اور مقصدیت اور اجتماعیت سے جڑنے کا احساس حاصل کرنے کا ایک آسان اور فوری ذریعہ ہے۔ ان میں شمولیت اختیار کرنا آسان ہوتا ہے اور زیادہ تر ہدایات اور دعوتی مواد وغیرہ کتابوں کی بجائے کتابچوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں تیزی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ نوجوانوں کے لیے بنیاد پرستی ایک علیحدہ فرقہ کی مانند ہے، جہاں زیادہ زور مناہی، سخت احکامات اور رسوم پر ہوتا ہے، یعنی اسلام کی ظاہری شکل پر۔ اسی طرح جوش و جذبے اور یکجہتی کے اظہار کی علامات پر بھی زور ہوتا ہے، مثلاً داڑھی رکھنا اور حجاب کا استعمال۔ ان چیزوں کی نفسیاتی اہمیت واضح ہے، اس سے اچھا نظم و ضبط نظر آتا ہے اور کسی مقصد کے ساتھ اور اجتماعیت کے ساتھ جڑنے کا احساس حاصل ہوتا ہے۔ اگر نوجوان جدید معاشروں میں رہ رہا ہو یا جس خاندان سے بغاوت کر رہا ہے وہ زیادہ جدت پسند ہیں یا مغرب میں رہتے ہیں، تو اسکارف اوڑھ لینے جیسا چھوٹا سا کام بھی تھوڑی محنت سے زیادہ نتائج دے دیتا ہے۔ اس طرح کے کاموں سے کم خطرہ مول لیتے ہوئے جرأت کا اظہار ہو جاتا ہے، جس اجتماعیت میں شامل ہیں اس میں پسندیدگی حاصل ہوتی ہے، اور اس طرح کے کاموں سے سیکولر اور جدت پسند معاشروں میں جو جھنجھلاہٹ اور انتشار پیدا ہوتا ہے وہ بذات خود ایک فوری تسکین کا باعث بن جاتا ہے۔

لیکن شدت پسندی میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جو نوجوانوں کو اس کے خلاف کر سکتی ہیں۔ نوجوانوں کی شدت پسندی کی حمایت کسی منطق کے بغیر ہے کیونکہ یہ ان کی دلچسپیوں اور ان کے لیے اہمیت کی حامل چیزوں کے خلاف ہے۔

شدت پسندی نوجوانوں کی زندگی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکا کر اور انہیں 'مہم جوئی' کا شوق دلا کر شدت پسند نوجوانوں کو خودکش بمبار بنا رہے ہیں۔ مدارس لڑکوں کو جوانی میں مرنے اور شہادت حاصل کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اگر مسلمان نوجوان غور کریں تو وہ یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آخر کیوں زیادہ تر خودکش بمبار تیس سال سے کم عمر ہوتے ہیں۔ اپنے جسم پر بارود باندھنے کے لیے نوجوان ہونا تو ضروری نہیں۔ اگر یہ اتنا ہی اچھا کام ہے تو بڑی عمر کے لوگ یہ کام کیوں نہیں کرتے؟

بنیاد پرستی نوجوانوں کے فطری جذبات کے خلاف چلتی ہے۔ رومانوی اور جنسی جذبات نوجوانی اور لڑکپن کی عمر کا فطری حصہ ہیں۔ بنیاد پرستی ان جذبات کو دبانے کا مطالبہ کرتی ہے، اس طرح بنیاد پرستی بہت سی نفسیاتی ضرورتوں کے اور نوجوانوں کی معاشی اور بہت سی دیگر ضروریات اور دلچسپیوں کے خلاف جاتی ہے۔

بنیاد پرست اسلام عورتوں کے ساتھ معاندانہ رویہ رکھتا ہے جو کہ آبادی کا آدھا حصہ ہیں۔ بنیاد پرستی نے یا تو عورتوں کو سیاسی سرگرمیوں سے بالکل معذور بنا دیا ہے یا انہیں دھوکے میں رکھتے ہوئے صرف تعاون سے متعلق سرگرمیوں تک محدود کر دیا ہے جو کہ عورتوں کے حقوق و مفادات کے خلاف ہے۔

روایت پسندی، جو کہ بنیاد پرستی کے مقابلے میں نرم اور معتدل نظریہ ہے، کا تعلق نوجوانوں کے آباواجداد کے ساتھ ہے اور یہ نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ دوسری طرف جدت پسندی جو کہ زیادہ بے باک اور زیادہ غیر روایتی ہے بنیاد پرستی کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہ عورتوں اور نوجوانوں کی دلچسپیوں اور ضروریات کی بھی زیادہ بہتر ترجمانی کرتی ہے۔

صوفی مسلمان[8]

صوفی مسلمان کسی بھی طبقہ میں پوری طرح نہیں بیٹھتے، لیکن ان کی ضرورت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں جدت پسندوں کے طبقہ میں ہی شامل کیا گیا ہے۔ صوفیت اسلام کی ایک کھلی اور علمی تفسیر پیش کرتی ہے۔ وہ ممالک جہاں صوفی روایات پائی جاتی ہیں، جیسے افغانستان اور عراق، وہاں صوفی اثر کو درس گاہوں کے نصاب، رسوم و رواج اور ثقافتی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے بہت زیادہ پذیرائی کی جانی چاہیے۔ صوفیت، اس کی شاعری، موسیقی اور فلسفہ کسی مذہبی وابستگی کے بغیر ایک مضبوط پُل کا کام کر سکتا ہے جس کے ذریعہ سے جدت پسندی کا اسلامی معاشروں میں نفوذ ہو سکے۔

[8] یہاں صوفی مسلمانوں سے مراد عالم اسلام کے غالی صوفی اور برصغیر کا 'بریلوی' طبقہ ہے۔

مجوزہ حکمت عملی

اسلامی انتہا پسندی، اس کی تعبیر، اس کے بنیادی مقاصد اور اس کی دیگر سیاسی اور معاشرتی قضیوں کو استعمال کرنے کی جستجو اسے ایک انتہائی پیچیدہ معاملہ بنا دیتی ہے۔ اس سے نمٹنے کا طریقہ یہی ہے کہ مغرب اپنی اقدار کے ساتھ سختی سے جڑا رہے اور ساتھ میں یہ بھی سمجھا جائے کہ عالم اسلام کے بعض طبقات کے ساتھ تعاون ممکن نہیں بلکہ ایک لچکدار طریقہ کار اپنانے کی ضرورت ہے جو مختلف معاملات، مختلف معاشروں اور مختلف ملکوں کے لیے مختلف ہو۔

اس طرح کے طریقہ کار سے 'مہذب اور جمہوری اسلام' اور عالم اسلام میں جدیدیت کی ترقی و ترویج کو تقویت ملے گی۔ اس طرح سے مختلف معاملات کو مختلف طریقوں سے نمٹنے کی لچک حاصل ہو گی اور نادانستہ منفی اثرات کے خطرے سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے درج ذیل حکمت عملی اپنائی جا سکتی ہے:

- سب سے پہلے جدت پسندوں کی حمایت کی جائے۔ روایت پسندوں کے اوپر اسلام سے متعلق اِن کے نقطۂ نظر کو وسعت دینے کی ضرورت ہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ مواقع دیے جائیں تاکہ یہ اپنی آراء اور نظریات کو مرتب کر سکیں اور پھیلا سکیں۔ روایت پسندوں کی بجائے جدت پسندوں کو جدید اسلام کے چہرہ کے طور پر عوامی سطح پر پیش کیا جانا چاہیے۔
- قضیوں کی بنیاد پر لادین طبقہ کی حمایت کی جانی چاہیے۔
- لادین طبقہ کی 'سِوَل سوسائٹی اور دیگر ثقافتی اداروں اور کاموں کی مکمل پذیرائی کی جانی چاہیے۔
- جہاں جہاں ضرورت پڑے اور ممکن ہو وہاں روایت پسندوں کی اتنی پشت پناہی کی جانی چاہیے کہ وہ بنیاد پرستوں کے مقابلے میں کھڑے رہیں اور روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان قریبی تعلقات نہ بننے پائیں۔ روایت پسندوں میں مخصوص وہ جو جدید معاشرہ کے ساتھ جڑنے کے لیے نسبتاً زیادہ بہتر ہیں ان کی پذیرائی کی جانی چاہیے۔

- بنیاد پرستوں کی زور دار طور پر مخالفت کی جائے، ان کے اسلامی اور نظریاتی مواقف میں موجود کمزوریوں پر ضرب لگائی جائے اور ان میں ایسی باتوں کی نشاندہی کی جائے جس کو نہ تو ان کا مخاطب نوجوان طبقہ پسند کرتا ہو اور نہ ہی دیندار روایت پسند طبقہ اس کی اجازت دیتاہو۔ مثلاً ان کی بد عنوانیاں، ظلم، جہالت، اسلام پر عمل کرنے کے معاملے میں ان کی صاف، کھلی غلطیاں ان میں حکومت کرنے اور قیادت کرنے کے معاملے میں نااہلی وغیرہ۔

بعض اضافی اور براہ راست سرگرمیاں بھی ہیں جو کہ اس مجموعی حکمت عملی کی معاونت کے لیے ضروری ہیں جو درج ذیل ہیں:

- اسلام کی تشریح و تفسیر کے معاملہ میں بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کی اجارہ داری کو توڑنے میں مدد دی جائے۔
- مناسب جدت پسند دانشوروں کا انتخاب کیا جائے جو کہ ایک ویب سائٹ چلائیں جہاں سے مسلمانوں کے روزمرہ کی زندگی کے اسلامی احکامات سے متعلق جدت پسندوں کا نقطۂ نظر بیان کیا جائے اور سوالوں کے جواب دیے جائیں، جیسا کہ اس طرح کی ویب سائٹس بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کی طرف سے چل رہی ہیں۔
- جدت پسند دانشوروں کی درسی کتابیں اور نصاب تیار کرنے میں حوصلہ افزائی کی جائے۔
- جدت پسند اسلام سے متعلق تعارفی کتابیں نشر کی جائیں اور انہیں سستے داموں اتنا پھیلایا جائے جتنا کہ بنیاد پرست مصنفین کے کتابچے پھیلتے ہیں۔
- مقامی میڈیا اداروں کو استعمال کرتے ہوئے جدت پسندوں کے افکار اور طریقہ کار سے عوام کو متعارف کروایا جائے تاکہ بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کا نقطۂ نظر وسیع ہو سکے کہ اسلام کا 'حقیقی معنی' کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔

مجوزہ حکمت عملی کی تفصیل

ذیل میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ مجوزہ حکمت عملی پر عمل درآمد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

حکمت عملی کے بنیادی نقاط

جدت پسند قیادت کی تعمیر

- مثالی نمونے اور قائدین کی تشکیل: وہ جدت پسند جنہیں جبر و عدوان کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں معاشرتی حقوق کے باہمت قائدین کے طور پر سامنے لایا جانا چاہیے۔ یہ لوگ اس بات کی عملی نظیر ہیں کہ اسلام کو جدت پسندی کی طرف مائل کرنا ممکن ہے۔ نوال السداوی کو مصر میں جدت پسندی، آزادیِ اظہارِ رائے، صحت عامہ اور خواتین کے حقوق جیسے مسائل پر بولنے کی وجہ سے جبر اور ایذا دہی کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں عدالتوں میں گھسیٹا گیا جس کی وجہ سے انہیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ افغانستان میں امورِ خواتین کی عبوری وزیر سیما سمر نے انسانی حقوق، خواتین کے حقوق، معاشرتی قوانین اور جمہوریت کے موضوعات پر اپنے بے باک مؤقف کی وجہ سے بہت سوں کو متاثر کیا اور اس وجہ سے انہیں بنیاد پرستوں کی طرف سے قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ عالم اسلام کی اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جنہیں بطور قائد نمایاں کیا جا سکتا ہے۔
- مغرب میں جدت پسندوں کی میڈیا پر اسلام کی نمائندگی: مغرب میں مسلمانوں کو میڈیا پر، چاہے سیاسی مقصد کے لیے ہی کیوں نہ ہو، زیادہ 'اسلامی' دکھانے سے بچا جائے، اس کی بجائے مسلمانوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ اسلام ان کی اصل شناخت کی بجائے ان کی شناخت کا محض ایک حصہ بھی ہو سکتا ہے۔
- عالم اسلام میں سِوَل سوسائٹی کی حمایت: ان کا معاملہ، بحران کی صورت میں، پناہ گزینوں کے معاملے میں اور کسی جنگ کے بعد کی صورتحال میں زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ جب این جی اوز اور دیگر شہری تنظیموں سے عملی تجربہ حاصل کر کے جمہوری قیادت ابھر کر سامنے آ سکتی ہے۔ ان این جی اوز وغیرہ کا شہروں، مضافات اور دیہاتوں میں مناسب

تنظیمی ڈھانچہ موجود ہے جن کو استعمال کرتے ہوئے عوام میں سیاسی شعور کی بیداری اور ایک معتدل اور جدت پسند قیادت کو سامنے لانے میں مدد مل سکتی ہے۔

- مغرب میں بسنے والے جدت پسند مسلمانوں کی آراء اور نظریات کی ترویج: اس مقصد کے لیے ضروری ہے مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کی اجتماعیتوں کو اور ان میں بدلتے افکار اور طریقوں کو سمجھا جائے اور پھر ان کی آراء کے تشریح، اظہار اور تدوین میں پوری پوری مدد فراہم کی جائے۔

بنیادپرستی پر کھل کر حملہ کیا جائے

- نامور شدت پسند شخصیات اور قائدین کو بدنام کیا جائے: عوام کے سامنے ثابت کیا جائے کہ خود ساختہ بنیاد پرست قائدین کے اعمال و اقوال کس قدر منافقانہ اور غیر اخلاقی ہیں۔ جس طرح بنیاد پرست مغرب پر اخلاق باختگی اور سطحیت کے الزام کو ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، یہی ہتھیار ان کے خلاف بھی استعمال کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ وہ بھی اس سے مختلف نہیں۔
- نامور میڈیا اداروں کے صحافیوں کو بنیاد پرست قائدین کی ذاتی زندگیوں، عادتوں اور بدعنوانیوں کو کھوجنے اور نشر کرنے پر لگایا جائے: ایسے واقعات کی تشہیر کی جائے جو بنیاد پرست قائدین کی سفاکی اور حیوانیت کو ثابت کریں۔ مثلاً سعودی عرب میں طالبات سکول میں آگ لگنے سے اس وقت ہلاک ہو گئیں جب مذہبی پولیس نے سعودی آگ بجھانے کے عملے کو ان طالبات کو سکول کی عمارت سے نکال کر لانے سے زبردستی روک دیا کیونکہ وہ طلبات پردے میں نہیں تھیں۔

اسی طرح ان قائدین کی منافقت کی بھی تشہیر کی جائے۔ مثلاً سعودیہ میں بیرون ملک سے آئے ہوئے ملازمین کو اپنے نومولود بچے کی تصویر کھینچنے سے منع کیا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ اسلام میں انسانوں کی تصویر بنانا حرام ہے، جبکہ ان کے اپنے دفاتر میں سعودی شاہوں کی بڑی بڑی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں۔

اسی طرح 'خیراتی اداروں' کے کردار کو بھی عوام کے سامنے لایا جانا چاہیے کہ کیسے یہ پس پردہ دہشت گردی اور شدت پسندی کو مالی معاونت فراہم کر رہے ہیں۔

جمہوریت اور جدیدیت کو پوری شد ومد کے ساتھ فروغ دیا جائے

- جدیدیت کے نظریات کے حامل مسلم ملکوں اور خطوں کی بھرپور مدد کرتے ہوئے ان کی ایک معتدل اور آسودہ حال اسلام کے نمونے کے طور پر تشہیر کی جائے: ان کی کامیابیوں کو عوامی سطح پر مشہور کیا جائے۔
- روایت پسندوں کی خامیوں پر تنقید کی جائے: روایت پسندی کے پسماندگی اور غربت کے ساتھ تعلق اور جدت پسندی اور جمہوریت کے ترقی اور آسودگی کے ساتھ تعلق کو ثابت کیا جائے۔ یہ سوال اٹھائے جائیں کہ کیا بنیاد پرستی اور روایت پسندی اسلامی معاشرہ کو ایک صحت مند اور آسودہ مستقبل کی یقین دہانی کرواتی ہیں؟ کیا یہ جدید دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں؟
- تصوف کو ترقی دی جائے: جن ملکوں میں مضبوط صوفی روایات پائی جاتی ہیں ان ملکوں پر زور دیا جائے کہ وہ صوفی اسلام پر زیادہ توجہ دیں اور اپنی تاریخ کے اس رخ پر زیادہ توجہ مرکوز رکھیں اور صوفی روایات کو درسی نصاب کا حصہ بنائیں۔

تعلیم اور نوجوان طبقہ پر توجہ

انتہاپسند اسلامی تحریکوں سے منسلک بالغ افراد کو آسانی سے اپنے نظریات تبدیل کرنے کی طرف راغب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بجائے اگلی نسل کو راغب کیا جاسکتا ہے، اگر جمہوری اسلام کا پیغام ان کے درسی نصاب اور ان کے ملکوں کے عوامی میڈیا میں داخل کر دیا جائے۔ بنیاد پرستوں نے تعلیمی نظام پر بہت کوشش سے اپنا اثر قائم کیا ہے اور وہ بلا مزاحمت پسپائی اختیار نہیں کریں گے۔ اس لیے ان سے یہ علاقہ چھیننے کے لیے اسی درجے کی کوشش ہی درکار ہوگی۔

حکمت عملی کو تقویت دینے کے لیے مخصوص سرگرمیاں

مجموعی طور پر اس حکمت عملی کی کامیابی کے لیے درج ذیل سرگرمیاں ضروری ہیں:

- جدت پسند اور معتدل لادین طبقہ کی سب سے پہلے حمایت کی جائے:
  - ان کے کاموں کی بڑے پیمانے پر اور سستے داموں نشر و اشاعت کی جائے۔
  - ان کو راغب کیا جائے کہ بڑی سطح پر عوام اور نوجوانوں کے لیے لکھیں۔
  - اسلامی تعلیم کے نصاب میں ان کی آراء کو متعارف کروایا جائے۔
  - ان کو عوامی نمائندگی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔
  - مذہبی تشریحات سے متعلق بنیادی سوالات کے جواب میں ان کی آراء اور مواقف کو، بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کے مقابلے میں، عوام میں عام کیا جائے، جن کے پاس پہلے سے اس متعلق ویب سائٹس، نشریاتی ادارے، درس گاہیں، ادارے، اپنے نظریات کی اشاعت کے اور بہت سے ذرائع موجود ہیں۔
  - اپنے معاشرہ سے بے مائل اور نالاں مسلمان نوجوانوں کے سامنے جدیدیت کو ایک متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔
  - مسلمان ممالک میں ان کے ملکوں کی اسلام سے پہلے کی اور غیر اسلامی تاریخ اور ثقافت کو ان کے میڈیا میں اور ان کے درسی نصاب میں شامل کر کے، ان کے بارے میں آگاہی کو بڑھایا جائے اور ان کی ترویج میں مدد فراہم کی جائے۔
  - سیکولر سِوَل سوسائٹی اور دیگر ثقافتی اداروں کی بھرپور مدد کی جائے اور ان کو پذیرائی دی جائے۔
- بنیاد پرستوں کے مقابلے میں روایت پسندوں کی حمایت کی جائے:
  - بنیاد پرستوں اور روایت پسندوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دی جائے اور روایت پسندوں کی جانب سے بنیاد پرستوں کے تشدد اور انتہا پسندی پر کی گئی تنقید کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔
  - روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان اتحاد کو روکا جائے۔

- جدت پسندوں اور اصلاح پسند روایت پسندوں کے درمیان تعاون کو بڑھایا جائے اور اس کی پذیرائی کی جائے اور روایت پسندوں کے اداروں میں جدت پسندوں کی ساکھ بہتر کی جائے اور ان کی موجودگی کو بڑھایا جائے۔
- روایت پسندوں کے مختلف ذیلی طبقوں کے درمیان تفریق کی جائے۔
- روایت پسندوں میں وہ طبقے جو جدیدیت سے زیادہ قریب ہیں ان کو مذہبی آراء جاری کرنے میں دیگر کے مقابلے میں پذیرائی دی جائے۔ اگر یہ طبقہ شہرت پکڑ لیتا ہے تو اس کی وجہ سے عالم اسلام میں قدامت پرست طبقہ کی مذہبی آراء کی سند کمزور پڑ سکتی ہے۔
- مسلم ملکوں میں تصوف کی قبولیت اور مقبولیت میں اضافے کی کوشش کی جائے۔

- بنیاد پرستوں کا مقابلہ اور ان کی مخالفت کی جائے:
  - اسلامی تشریحات سے متعلق ان کی آراء کو چیلنج کیا جائے اور ان میں غلطیوں کو اجاگر کیا جائے۔
  - ان کے غیر قانونی گروہوں اور سرگرمیوں سے تعلق کو سامنے لایا جائے۔
  - ان کی پر تشدد سرگرمیوں کے نتائج کی تشہیر کی جائے۔
  - ان کی حکومت کرنے اور معاشرہ کی بہتری اور ترقی دینے میں نااہلی کو واضح کیا جائے۔
  - بنیاد پرستوں کے خلاف ان دلائل کو خاص طور پر نوجوان طبقہ، روایت پسندوں، خواتین اور مغرب میں موجود مسلمانوں تک پہنچایا جائے۔
  - بنیاد پرست شدت پسندوں اور دہشت گردوں کی کاروائیوں کی کسی بھی قسم کی تعریف و تحسین کرنے سے اجتناب کیا جائے اور انہیں ذہنی طور پر اضطراب کا شکار، اور بزدل دکھایا جائے نہ کہ کوئی ہیرو بنا کر پیش کیا جائے۔
  - صحافیوں کو بنیاد پرستوں اور دہشت گرد حلقوں میں اخلاق باختگی، منافقت اور بدعنوانی کے معاملات کی کھوج لگانے پر لگایا جائے۔

- لادین طبقہ کی محدود و مخصوص حمایت کی جائے:
  - بنیاد پرستی کو لادین طبقہ اور مغرب کا مشترکہ دشمن کے طور پر تسلیم کیا جائے اور ان کے خلاف تعاون کو فروغ دیا جائے جبکہ لادین طبقہ کے امریکہ مخالف قوتوں کے ساتھ قومیت اور بائیں بازو کے نظریات کی بنیاد پر بننے والے اتحادوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
  - لادین طبقہ کے اس نظریے کو تقویت دی جائے اور پھیلایا جائے کہ اسلام میں بھی ریاست اور مذہب ایک دوسرے سے جدا رہ سکتے ہیں اور ایسا کرنے سے ایمان خطرے میں نہیں پڑتا۔

رپورٹ اور اس کے مجوزہ اہداف کا تجزیہ

یہ رپورٹ ۲۰۰۴ء میں نشر کی گئی، اور اس وقت سے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی پالیسیاں اس رپورٹ میں تجویز کی گئی حکمت عملی کی عکاس نظر آتی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ دشمن علی الاعلان اپنے عزائم کا اظہار کرتا ہے اور دھڑلے سے اپنی مکمل حکمت عملی بھی بتا دیتا ہے کہ میں کس طبقہ کو استعمال کروں گا اور کس طبقہ میں نفوذ حاصل کروں گا اور کس طبقہ کو بدنام کروں گا۔ حالت یہ ہے کہ وہ ایک جال پھینکتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ دیکھو میں نے تمہارے لیے ایک خوبصورت جال پھینکا ہے آکر اس میں پھنس جاؤ اور ہم خوشی خوشی بھاگے بھاگے جا کر اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص یا جماعت اٹھتی ہے اور لوگوں کو اپنے دشمن سے چوکنا ہونے اور ہوش کے ناخن لینے کی بات کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ دشمن کے عزائم کیا ہیں تو اس بات کو "سازشی نظریہ" کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے اور "جو کروا رہا ہے امریکہ کروا رہا ہے" جیسا طنزیہ جملہ اس کے ساتھ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔

اگر رپورٹ کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ اس میں دو طرح کے اہداف کا ذکر کیا گیا ہے۔ کچھ اساسی اہداف اور باقی ان اساسی اہداف کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے ذیلی اہداف۔

اساسی اہداف دو ہیں:

1. بنیاد پرستوں کا اور ان کی ذہنیت کا جڑ سے خاتمہ
2. جدت پسند نظریات کو مسلمان معاشروں میں رائج کرنا اور جدت پسند طبقے کو اسلام کے نمائندوں کے طور پر پیش کرنا۔

چونکہ اس رپورٹ میں بتائے گئے اہداف اور مکمل حکمت عملی کا تعلق انہی دو اہداف کے حصول کو ممکن بنانا ہے اس لیے ذیل میں پہلے اساسی اہداف کی بجائے ان ذیلی اہداف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

مسلم طبقات سے متعلق ذیلی اہداف کا تجزیہ

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد امریکہ نے جو، عسکری اور نظریاتی، دونوں میدانوں میں اعلانِ جنگ کیا تو آج وہ عسکری میدان میں تو بری طرح سے شکست کھا چکا ہے لیکن نظریاتی میدان پر نظر دوڑائی جائے تو اس رپورٹ میں ذکر تقریباً تمام ہی ذیلی اہداف کے حوالے سے اسے بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ پچھلے بیس سال میں ان اہداف سے متعلق اتنا کچھ ہو چکا ہے کہ سب کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ یہاں پچھلے بیس سالوں میں مسلم طبقات سے متعلق طے کیے گئے ذیلی اہداف میں ہونے والی اہم پیش رفت کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

شدت پسند طبقہ

کردار کشی کی کوششیں

اس رپورٹ میں شدت پسند طبقہ یعنی مجاہدین کے قائدین اور رہنماؤں کی کردار کشی کو ایک اہم ہدف بنایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جس طرح یہ طبقہ مغرب پر سطحیت اور اخلاق باختگی کا الزام لگاتا ہے وہی الزام ان پر بھی ثابت کیا جائے۔ لیکن بیس سال کی کوششوں کے باوجود مغرب مجاہدین کی کردار کشی کے لیے کوئی قابل ذکر چیز میڈیا پر لانے میں ناکام رہا۔ لیکن اس مسئلے کا حل انہوں نے دوسرے طریقے سے نکالا۔ ایک طرف مجاہدین کا مکمل میڈیا بلیک آؤٹ کر دیا گیا کہ مجاہدین کسی بھی اعلامی ذریعہ کو استعمال کر کے عوام کی اکثریت تک اپنی حقیقت اور آراء نہ پہنچا سکیں تو دوسری طرف اپنے اعلام میں، اپنے ڈراموں، فلموں، گانوں میں، مجاہدین کی وہ فرضی تصویر کشی کی جو کہ وہ دنیا کو دکھانا چاہتے تھے۔ اور اس طرح سے مجاہدین کی کردار کشی کرنے کی کوشش کی گئی۔

مجاہدین کو بدنام کرنے میں ایک دوسرا ہدف یہ طے کیا گیا کہ ان کو ذہنی طور پر مضطرب اور ان کی کاروائیوں کو بزدلانہ کاروائیوں کے طور پر پیش کیا جائے اور ان کی کاروائیوں کی کسی بھی قسم کی تعریف و تحسین کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ خبروں میں عموماً مجاہدین کو "مذہبی جنونی" (Religious Fanatics) کا

نام دیا جاتا ہے اور ان کی کاروائیوں کو چاہے وہ کاروائیاں جتنی بھی جراتمندانہ ہوں اور غیرت اور بہادری کی مثال ہی کیوں نہ ہوں انہیں ''وحشیانہ اور بزدلانہ'' کے القاب ہی دیے جاتے ہیں۔

''شیما افیکٹ'' کا استعمال

مجاہدین کے حوالہ سے ایک ہدف یہ بھی طے کیا گیا کہ ان کو ظالم، سفاک، وحشی اور مسلمان عوام کا دشمن دکھایا جائے۔ اور مجاہدین کی بعض اپنی غلطیوں کی وجہ سے دشمن کو اس ہدف میں بہت کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

مجاہدین کی غلطیوں کو استعمال کرتے ہوئے ان کو بدنام کرنے کی حکمت عملی خاصی پرانی ہے اور اسے مغرب ''شیما افیکٹ'' کے نام سے منصوب کرتا ہے۔ جس کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے ہے۔ ۹۰ء کی دہائی میں مصر میں جماعت الجہاد نے اس وقت کے وزیر اعظم عاطف صدقی کی گاڑی پر ایک بارود بھری گاڑی سے حملہ کیا۔ لیکن وزیر اعظم کی گاڑی چند لمحوں کے فرق سے بچ گئی۔ لیکن اس حملے میں حادثاتی طور پر شیما نامی ایک بچی کی وفات واقع ہوگئی جو قریب کے ایک سکول کی طالب علم تھی۔ اگرچہ حملے کے وقت سکول بند تھے اور وہاں عام لوگوں کی موجودگی کا امکان نہیں تھا لیکن یہ بچی اتفاقاً عین دھماکہ کے وقت وہاں پہنچ گئی جس سے اس کی وفات ہوگئی۔ حکومت نے اس واقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا اور خبروں میں اسے یوں پیش کیا جیسے یہ ساری کاروائی 'شیما' کو مارنے کے لیے ہی کی گئی تھی۔ اخبارات نے شیما کی بڑی بڑی تصاویر دکھائیں، ان کے والدین کو بچی کی لاش پر روتے دکھایا گیا۔ شیما کے بچپن سے لے کر اس عمر تک کی تصاویر میڈیا میں بار بار پیش کی گئیں۔ تاکہ عوام کے جذبات کو بھڑکایا جاسکے اور مجاہدین اور حکومت کے درمیان جنگ کے اصل اسباب سے ان کی توجہ پھیری جاسکے۔ امریکی تحقیقی ادارے نے اس واقعہ کو ''شیما افیکٹ'' کا نام دیا اور ایک تحقیقاتی رپورٹ میں اس واقعہ کی مثال لے کر مستقبل کے لیے ایک مستقل حکمت عملی وضع کی۔ امریکی تحقیقاتی ادارے کی رپورٹ سے اقتباس درج ذیل ہے:

''امریکی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسی پراپیگنڈہ مہموں کے لئے فنڈ فراہم کرے جو مسلمان عوام کی رائے کو جہادیوں کے خلاف پھیرنے کے ہدف سے چلائی جائیں لیکن ایسی مہموں کو مالی مدد نہایت خفیہ انداز میں اور بالواسطہ

طریقوں سے فراہم کی جائیں۔ امریکہ کو "شیما افیکٹ" سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اور ایسی تصویروں کو بڑے پیمانے پر نشر کرنا چاہیے جس میں جہادیوں کے حملوں میں قتل ہونے والے مسلمان بچوں کی تصاویر کو زیادہ سے زیادہ بڑی سطح پر نشر کرنا چاہیے اور جیسا کہ ہم نے سابقہ نقاط میں بیان کر دیا ہے کہ امریکہ کا مسلم خطوں میں براہ راست مداخلت کرنا تباہ کن نتائج کا حامل ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ امریکہ یہ کام پس پردہ کرے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ جو لوگ بھی یہ پراپیگنڈہ مہم چلائیں وہ نہایت پیشہ ورانہ انداز میں اس مہم کی سرپرستی کریں اور اس کے لئے وہی حکمت عملی اور وہی زبردست اسالیب اور آلات استعمال کریں جو امریکہ نے نہایت مہارت کے ساتھ سرد جنگ کے دوران استعمال کیے تھے"[9]۔

مجاہدین کی طرف سے کی جانے والی بیشتر غلطیوں (مثلاً عراقی مجاہدین کی طرف سے اردن کے ایک ہوٹل پر کیا جانے والا ایک حملہ، جس میں ایک شادی کی تقریب چل رہی تھی، اسی طرح پاکستان میں ملالہ یوسف زئی پر قاتلانہ حملہ اور آرمی پبلک سکول پر ہونے والا حملہ وغیرہ) کے نتیجے میں حکومتوں، میڈیا اور مغرب کی طرف سے جو ردّ عمل اور پالیسیاں نظر آئیں وہ من و عن "شیما افیکٹ" کی امریکی حکمت عملی کے مطابق نظر آتی ہیں۔

ان غلطیوں کو بہانہ بنا کر مسلمان ملکوں کی حکومتیں اپنے ایسے بہت سے عزائم پورا کر پائیں جن کو پورا کرنے میں ان واقعات سے قبل مختلف طبقات کی طرف سے حکومتوں کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

داعش کا استعمال

لیکن مجاہدین کی طرف سے کی گئی چند غلطیوں کو استعمال کرنے سے مغرب اور ان کے حواریوں کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا جو مجاہدین کے گروہوں میں غلو کی فکر کے پائے جانے سے ہوا۔ اس حوالے سے مغرب کو داعش کی شکل میں ایک نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی جسے مغرب نے جہاد کو بدنام کرنے کے لیے خوب خوب استعمال کیا۔ مغرب نے

[9] بحوالہ فرسان تحت رایۃ النبی ﷺ از شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

داعش کے معاملے میں شدت پسندوں کے حوالے سے اپنی عمومی حکمت عملی بھی نہیں اپنائی اور داعش کو میڈیا میں خوب جگہ دی۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ داعش کو مجاہدین کی اصل شکل اور داعش کے نظریات کو اصل جہاد کے طور پر ثابت کیا جاسکے۔ ایسا کرنے کا فائدہ صاف ظاہر تھا کہ اس سے مسلمانوں کی اکثریت مجاہدین سے متنفر ہو جائے گی اور جہاد کو فساد سمجھے گی۔ داعش کے معاملے میں مغرب کو ان کی کاروائیوں کو اور ان کے نظریات کو غلط ثابت کرنے اور خود سے انہیں بدنام کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی بلکہ جو داعش کے نظریات ہیں اور جو کچھ داعش کر رہی ہے اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہی ان کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کافی تھی۔ مغرب کی داعش کے حوالے سے میڈیا پالیسی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- داعش کی خراسان شاخ نے جب افغانستان کے صوبے ننگرہار اور اس سے پڑوس کے پاکستانی علاقوں میں اپنی ایف ایم ریڈیو سروس کا آغاز کیا تو اس کی خبر 'بی بی سی' اور 'وائس آف امریکہ' پر دی گئی۔ خبر کا مقصد بظاہر تو حکومت اور اداروں کو متنبہ کرنا تھا کہ اتنے بڑے علاقے پر شدت پسند کھلے عام اپنا پراپیگنڈہ ریڈیو چلا رہے ہیں لیکن خبر پیش کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہ داعش کے ریڈیو کی اشتہاری مہم چلائی جا رہی ہو۔ خبر میں بتایا گیا کہ کون کون سے علاقوں میں اور کس فریکوئنسی پر یہ ریڈیو سروس سنی جاسکتی ہے اور ریڈیو سروس پر جو ترانے اور دیگر تقاریر وغیرہ نشر کی جاتی ہیں ان کی بھی چند جھلکیاں سنائی گئیں۔ حالانکہ ان کی اپنی میڈیا پالیسی میں 'شدت پسندوں' کے 'میڈیا پراپیگنڈہ' کو جگہ دینے پر مکمل پابندی ہے۔
- جہاں ایک طرف جہادی قائدین کی نشریات پر مکمل پابندی ہے اور کہیں میڈیا میں ہلکا سا ذکر بھی نہیں آتا کہ کسی جہادی قائد نے کوئی بیان دیا ہے یا نہیں تو دوسری طرف داعش کے سربراہ ابو بکر بغدادی کی طرف سے نشر شدہ تقاریر کو میڈیا میں پوری کوریج دی جاتی اور اس کی تقریر کے اقتباسات بھی خبروں میں سنائے جاتے۔
- امارت اسلامیہ نے جب افغانستان کے صوبے ننگرہار میں داعش کی طرف سے فتنہ وفساد پھیلانے کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ کی اور انہیں وہاں سے ختم کیا تو اس کی خبر میڈیا پر اس طرح سے دی گئی کہ "افغانستان کے صوبہ

ننگرہار میں امریکہ، افغان فوج اور طالبان کے مشترکہ آپریشن کے نتیجے میں صوبے سے داعش کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔" اور ساتھ میں امریکی وزیر خارجہ کی طرف سے "داعش کا افغانستان سے خاتمہ کرنے میں امریکہ کی مدد کرنے پر" طالبان کا شکریہ بھی ادا کیا گیا۔ اور جب امارت اسلامیہ کے ترجمان کی طرف سے اس خبر کی تردید کی گئی تو اسے میڈیا پر کوئی جگہ نہیں دی گئی۔

- داعش کے عروج کے زمانے میں میڈیا پر داعش کے لیے میڈیا پر "نام نہاد دولت اسلامیہ" کا لفظ اور ان کی طرف سے اعلان کی گئی خلافت کو "خود ساختہ خلافت" کہا جاتا تھا۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے خبروں میں یہ ذکر کچھ اس طرح سے آتا ہے: "امریکہ نے عراق میں "دولت اسلامیہ" یعنی داعش کی "اسلامی خلافت" کا خاتمہ کر دیا۔"

خبروں کے اس انداز سے واضح نظر آتا ہے کہ مغرب کا مقصد داعش کے مخالف مجاہدین کے لیے مسلمانوں میں غصہ جبکہ داعش کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ کیونکہ مغرب کو یہ واضح نظر آتا ہے کہ وہ جہاد اور مجاہدین کا مکمل خاتمہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کا بہترین حل یہ ہے کہ داعش کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں میں مقبول کیا جائے جس کے نتیجے میں امریکہ کی مسلمان نوجوانوں کو جہاد سے باز رکھنے کی دیگر حکمت عملیوں کے باوجود بھی جو نوجوان جہاد میں شرکت کرنا چاہیں تو ان کے لیے سب سے بہتر انتخاب داعش ہی ہو۔ اس طرح داعش کی مضبوطی عام مسلمانوں میں مجاہدین سے نفرت اور مجاہدین کی داخلی جنگوں کی وجہ سے مجاہدین کے تیزی سے خاتمے کا باعث بنے گی۔ اور امریکہ کو گھر بیٹھے کچھ کیے بغیر اپنے دیرینہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔

لیکن یہ طرزِ عمل صرف داعش کی حد تک محدود نہیں۔ 'شیما افیکٹ' کی طرح داعش کا معاملہ بھی اب 'داعش افیکٹ' بن چکا ہے۔ یعنی جس بھی مجاہدین کے گروہ میں غلو نظر آئے گا چاہے وہ داعش سے جڑا ہو یا نہ ہو اس کے ساتھ وہی رویہ اپنایا جائے گا جو داعش کے معاملے میں اپنایا گیا۔ ان کی تشہیر کی جائے گی اور انہیں میڈیا پر جگہ دی جائے گی۔ اور انہیں حقیقت سے کہیں بڑے خطرے کے طور پر دکھایا جائے گا۔ اس کی مثالیں ہمیں مختلف جگہوں پر نظر آجائیں گی لیکن اس کی ایک مثال نائجیریا کی جہادی تنظیم 'بوکو حرام' کی ہے۔ بوکو حرام کے عروج کے زمانے میں اسے

'دہشت گرد تنظیم' ہی کہا جاتا تھا۔ لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ تنظیم اپنے نظریات اور کاروائیوں کی وجہ سے عالم اسلام میں بدنام ہو چکی ہے اور جہاد کو بدنام کرنے کا باعث ہے تو اب میڈیا میں اسے 'بنیاد پرست اسلامی گروہ' کہا جاتا ہے۔

دیندار طبقہ کو دور کرنے کی کوشش

رپورٹ میں مجاہدین کے حوالے سے ایک ہدف یہ بھی طے کیا گیا کہ دیندار طبقہ اور مجاہدین کے درمیان اتحاد نہ ہونے دیا جائے اور دیندار طبقہ کی طرف سے مجاہدین پر کیے جانے والے اعتراضات کی خوب تشہیر کی جائے۔ اس حوالے سے آغاز ہی سے مغرب اور مسلم ملکوں کی کٹھ پتلی حکومتوں نے علماء سے مجاہدین کے خلاف فتاویٰ لینا اور نشر کرنا شروع کیے۔ ۲۰۰۱ء کے بعد عرب و عجم کے بہت سے سرکاری علماء نے مجاہدین کے خوارج ہونے کے فتاویٰ جاری کیے اور اس وقت سے اب تک مسلمان ملکوں کی حکومتوں کی طرف سے زیادہ تر علمائے سو سے اور چند علمائے حق سے جبراً ''متفقہ فتاویٰ'' لینے کا رجحان جاری ہے۔ ان میں افغان حکومت کی درخواست پر مختلف ملکوں کے حکومتی علماء کی طرف سے افغان طالبان کے خلاف فتاویٰ اور چند سال قبل پاکستان میں مجاہدین کے خلاف علماء کا متفقہ فتویٰ ''پیغام پاکستان''، قابل ذکر مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مختلف حکومتی اور دیگر علمائے سو کے قلم سے مجاہدین کے خلاف بے شمار فتاویٰ نشر ہوتے رہے ہیں۔

ان فتاویٰ میں طاہر القادری کی طرف سے ۲۰۱۱ء میں نشر کیا گیا ایک فتویٰ بھی شامل ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ ۵۱۲ صفحات پر مشتمل یہ فتویٰ طاہر القادری نے انگریزی میں ''دہشت گردی اور خودکش بمباری پر فتویٰ'' (Fatwa on Terrorism and Suicide Bombing) کے نام سے برطانیہ سے نشر کیا۔ اس فتوے کا پیش لفظ ایک امریکی پروفیسر اور مستشرق جان ایسپوزیٹو (John Esposito) نے تحریر کیا جبکہ تعارف برطانیہ میں مقیم نیوزی لینڈ کے ایک یہودی دانشور جوئل ہیورڈ (Joel Hayward) نے لکھا۔ واضح رہے کہ یہ یہودی دانشور جوئل ہیورڈ طاہر القادری کے ادارے 'منہاج القرآن' میں بطور منصوبہ ساز (strategist) کام کرتا ہے۔ اس فتویٰ کو نشر کرنے کی تقریب میں لندن کی پولیس ''اسکاٹ لینڈ یارڈ'' کی اینٹی ٹیرر فورس اور برطانوی خفیہ ادارے ایم آئی فائیو (MI5) کے

اعلیٰ افسران بھی شریک تھے۔ اس فتویٰ کو مغربی میڈیا میں خوب پزیرائی دی گئی۔ مصر کی جامعہ الازہر نے بھی اس کی سرکاری طور پر توثیق کی۔ اس فتوے کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ طاہر القادری کے ادارے کی طرف سے فتوے کی ایک کاپی اُس وقت کے پاپائے روم "پاپ بینیڈکٹ شانزدہم" (Pope Benedict XVI) کو بھی بھیجی گئی جس نے اس فتوے کی بہت تعریف کی۔

ظاہر ہے اس فتوے پر اتنی بڑی مغرب کی رضامندی کی چھاپ ہونے کی وجہ سے اس کا دیندار اور دین پسند مسلمانوں پر تو کیا اثر ہونا تھا، لیکن اس کی وجہ سے طاہر القادری کو مغرب کی طرف سے بہت شاباشی حاصل ہوئی۔

ان متفقہ فتاویٰ کو دیکھتے ہوئے شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دو اقوال بالکل درست نظر آتے ہیں:

"میرے بھائیو مسلمانوں کا حال دیکھئے۔ جو چیز امریکہ کی خواہشات کے مطابق نہ ہو تو وہ ایسی ہو جاتی ہے گویا اس کا زمین پر رہنے کا کوئی شرعی یا قانونی جواز ہی نہیں۔ اور اگر کوئی چیز امریکی خواہشات اور اس کی پسند کے مطابق ہو جائے تو وہی چیز عین شریعت قانون اور اصول بن جاتی ہے۔"

"امریکی نہیں چاہتے کہ اہل سنت والجماعت کے پاکیزہ عقائد کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے۔ انہیں وہ موڈریٹ معتدل مسلمان چاہئیں جن کا دین بالکل نرم ملائم اور لچک دار ہو اور امریکی خواہشات کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ جس میں فتوے بھی وہی دیے جاتے ہوں جو امریکی خواہشات سے مطابقت رکھتے ہوں۔ بلکہ جس میں پہلے سے ایسے فتوے تیار کر کے رکھے جائیں۔ جب بھی امریکہ فتویٰ طلب کرے تو فتویٰ دینے میں زیادہ دیر نہ لگے۔"[10]

لیکن عالم اسلام کا دین پسند طبقہ علماء کے مؤقف کا احترام کرتا ہے اس لیے جب علمائے حق سے حکومتوں اور اداروں کی طرف سے جبراً یا انہیں فریب دے کر ان سے فتوے لیے جاتے ہیں تو اس کا مسلمانوں کے دین پسند طبقہ پر گہرا اثر پڑتا ہے اور مجاہدین کا مؤقف کمزور ہوتا ہے جو اس رپورٹ کا ایک اور ہدف ہے۔ اس کے علاوہ محبین جہاد کی

[10] بحوالہ فرسان تحت رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم از شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

طرف سے علماء کی عزت اور توقیر میں کمی آتی ہے۔ جہاں ایک طرف عالم اسلام کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پہلے سے ہی علماء کی عزت نہیں کرتا وہاں جب محبین جہاد کی طرف سے بھی علماء کی عزت نہ کی جائے تو اس سے اس رپورٹ کے اس ہدف کو پورا کرنے میں مدد ملتی ہے کہ دیندار طبقہ اور مجاہدین کے درمیان اختلافات کو ہوا دی جائے اور ان میں اتحاد بننے کو ہر ممکن طریقے سے روکا جائے۔

شدت پسندوں کا استثنائی طبقہ

اگرچہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ شدت پسندوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی مفاہمت ممکن نہیں۔ لیکن مغرب ہر اس گروہ کے ساتھ مفاہمت کے لیے تیار ہے جو جمہوریت کی طرف مائل ہو، کیونکہ مغرب بخوبی آگاہ ہے کہ جس گروہ میں جمہوریت کا وائرس گھس گیا وہ جلد یا بدیر جدیدیت کے موذی مرض کا شکار ضرور ہو جائے گا۔ اس کی واضح مثال افغانستان میں گل بدین حکمت یار اور اس کی پارٹی حزبِ اسلامی ہے۔

گل بدین حکمت یار کو ۹۰ء کی دہائی میں کابل میں کی گئی بمباری اور قتلِ عام کی وجہ سے 'کابل کا قصاب' کا لقب دیا گیا تھا۔ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو گل بدین حکمت یار نے بھی امریکہ کے خلاف جنگ شروع کی۔ امریکہ نے ۲۰۰۳ء میں حکمت یار کو عالمی دہشت گرد قرار دیا تھا۔

۲۰۱۰ء میں حکمت یار نے افغان حکومت کے ساتھ مفاہمت کے لیے مذاکرات کی خواہش کا اظہار کیا اور ۲۰۱۶ء میں مذاکرات کے نتیجے میں افغان حکومت اور حکمت یار کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے نتیجے میں افغان حکومت اور امریکہ کی طرف سے حکمت یار کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا، حزب اسلامی کے تمام قیدی رہا کر دیے گئے اور امریکہ اور اقوام متحدہ کی طرف سے لگی تمام پابندیاں ہٹا دی گئیں اور حکمت یار کو حکومت میں عہدہ بھی دے دیا گیا جبکہ حزب اسلامی کے بہت سے رہنماؤں کو افغانستان کے مختلف صوبوں میں بھی عہدے ملے۔ اس سب کے بدلے میں حکمت یار نے 'شدت پسند' گروہوں اور سرگرمیوں سے مکمل علیحدگی کا وعدہ کیا۔ ۲۰۱۹ء میں حکمت یار نے صدارتی الیکشنز میں صدارتی امیدوار کے طور پر شرکت بھی کی۔

مسلکی بنیاد پرست طبقہ

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بنیاد پرستوں کی نسبتاً معتدل قسم یعنی مسلکی بنیاد پرستوں کے ساتھ معاندانہ رویہ نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے متعلق حکمت عملی اپنائی گئی کہ ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جائیں اور کوشش جاری رکھی جائے کہ اس طبقہ سے وابستہ بتدریج کسی نہ کسی درجے میں جدت پسندی کی طرف مائل ہوتے جائیں۔ اس حوالے سے ان کو سب سے بڑی اور نمایاں کامیابی سعودی عرب میں حاصل ہوئی ہے۔ رپورٹ میں امریکہ کے سعودی عرب سے متعلق منافقانہ کردار کا پوری بے باکی سے اظہار کیا گیا۔ لیکن اب انہیں سعودی عرب سے متعلق منافقانہ رویہ جاری رکھنا نہیں پڑے گا۔ مغرب کو سعودی عرب میں محمد بن سلمان کی شکل میں اپنا سب سے بڑا وفادار حاصل ہو گیا ہے اور اس کے 'رؤية سعوديه ٢٠٣٠'(Saudi Vision 2030) کے اعلان کے بعد سے سعودی معاشرہ جدیدیت کی طرف سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ اس حوالے سے چند جھلکیاں درج ذیل ہیں:

- ۲۰۱۶ء میں هيئة العامة للترفيه (General Authority for Entertainment) تشکیل دی گئی جس کے تحت درج ذیل کام ہوئے:
  - ۲۰۱۷ء میں ریاض میں براہ راست (live) موسیقی کا کانسرٹ (concert) منعقد کیا گیا جس میں امریکی اور سعودی گلوکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد سے اب تک بے شمار موسیقی کے کانسرٹ منعقد کیے جا چکے ہیں۔ ان کانسرٹس میں مرد و خواتین کو اکٹھے شرکت کرنے کی اجازت ہے۔
  - امریکی تفریحی ادارے 'ورلڈ ریسلنگ انٹرٹینمنٹ' (WWE) کے تحت جدّہ میں ایک عالمی ریسلنگ کا مقابلہ منعقد ہوا اور اس میں 'ریسلرز' نے اپنی روایتی 'بے لباسی' میں مقابلوں میں شرکت کی۔ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے آنے کی خواتین کو بھی پوری اجازت تھی۔ ریسلنگ کی تنظیم کی طرف سے میڈیا پر اعلان کیا گیا کہ اگرچہ اس مقابلے میں 'خواتین ریسلر' مقابلے میں شرکت نہیں کر سکیں لیکن آئندہ چند سالوں میں

سعودی عرب میں بھی خواتین ریسلر مقابلوں میں شریک ہو سکیں گی۔ لیکن پورے ملک میں اس تنظیم کی طرف سے مقابلہ کی جو اشتہاری مہم چلائی گئی اس میں 'خواتین ریسلر' اپنی روایتی بے لباسی میں دکھائی گئیں۔

- ۲۰۱۸ء میں پہلے عوامی سینما کا افتتاح کیا گیا۔ خاص اس سینما کے لیے پورے شہر میں علیحدہ بس سروس بھی شروع کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو سینما تک رسائی میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ۲۰۳۰ء تک پورے ملک میں اس طرح کے ۲۰۰۰ سینما کھولنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔ اور حسبِ توقع عورتوں کو بھی اس سینما میں فلم دیکھنے جانے کی کھلی اجازت ہے۔

- بحیرہ احمر پر ۳۴۰۰۰ مربع کلومیٹر پر اور ۵۰ جزیروں پر مشتمل سیاحوں کے لیے ایک پر آسائش تفریح گاہ تعمیر کی جا رہی ہے جہاں عورتوں کو تیراکی کا مختصر لباس 'بکنی' پہننے کی اجازت ہو گی۔ واضح رہے کہ یہ تفریح گاہ جس علاقے میں تعمیر کی جارہی ہے وہ حجاز کی حدود کے اندر ہے۔
- مصر اور اردن کی سرحد پر تبوک کے تاریخی مقام پر ایک نیا شہر 'نیوم' تعمیر کیا جارہا ہے۔ اس شہر کی خاص بات یہ ہے کہ اس شہر کے اندر دیگر ملک میں لاگو قوانین کا اطلاق نہیں ہو گا بلکہ یہاں کا نظام مغربی قوانین کے مطابق بنایا جائے گا۔

سعودی عرب کے علاوہ بحرین کا ۲۰۰۱ء میں جاری کردہ 'نیشنل ایکشن چارٹر' اور متحدہ عرب امارت میں سعودی عرب ہی کی طرز کا ابوظہبی وژن ۲۰۳۰ء مغرب کی مدد سے 'مسلکی بنیاد پرستوں' کی جدت پسندی کی طرف 'ارتقاء' کی مثالیں ہیں۔

اسرائیل کے ساتھ تعلقات

اس رپورٹ میں بیان کی گئی مسلکی بنیاد پرستوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کی حکمت عملی کا ایک اور فائدہ عرب ملکوں کی طرف سے اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ سفارتی تعلقات کو بحال کرنے کی شکل میں ہے۔ اس حوالے سے سعودی عرب کے اسرائیل کے ساتھ تجارتی تعلقات کا آغاز ہو چکا ہے اور اسرائیلی شہریوں کو

سعودی عرب کا تجارتی ویزہ حاصل کرنے کی اب اجازت ہے۔ جبکہ اسرائیل کے ساتھ مستقل سفارتی تعلقات کا آغاز کرنے پر کام تادم تحریر جاری ہے۔ سعودی عرب کے علاوہ متحدہ عرب امارات، سوڈان اور مراکش نے اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ باقاعدہ سفارتی تعلقات کا آغاز کر دیا ہے اور باقی اسلامی ممالک پر بھی زور دیا جا رہا ہے کہ وہ 'مذہبی تعصب' اور فلسطینیوں کے ساتھ 'اظہارِ یکجہتی' جیسے فرسودہ خیالات کو پس پشت ڈال کر جدید دنیا کے ساتھ مل کر اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کریں اور اس کے ساتھ سفارتی تعلقات شروع کر دیں۔

ایک طرف امریکہ اور پورا مغرب زور دیتا ہے کہ اسلام بھی مغرب کی طرح مذہب اور ریاست کو ایک دوسرے سے جدا کر دے اور اسلام میں جمہوری اور جدید اقدار کو فروغ دیا جائے، جبکہ دوسری طرف یہی امریکہ اور مغرب اُس اسرائیل کا پشت پناہ اور محافظ ہے جس کی بنیاد خالص مذہب پر پڑی۔ اس حوالے سے مولانا ابو الحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' میں ایک سابق کمیونسٹ عرب کے مضمون کے کچھ اقتباس نقل کیے ہیں جنہیں ذیل میں نقل کرنا جدت پسندوں اور روشن خیالوں کو آئینہ دکھانے کے لیے کافی ہے اور بقول مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ''یہ عالم اسلام کے لیے صرف درس عبرت ہی نہیں بلکہ تازیانہ عبرت بھی ہے'':

''عالم عربی کے قلب میں تورات کے ایک نبی کے نام پر ایک حکومت قائم ہوئی ہے، اس کا کوئی دستور نہیں، کیونکہ تمام مذہبی پارٹیاں تورات ہی کو دستور قرار دینے پر مصر ہیں، اس میں ہفتے کے دن کام کرنا قانوناً ممنوع ہے، اس سے اس کی اقتصادیات اور عالمی بینکوں سے اس کے تعلقات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا جو اتوار کو بند رہتے ہیں، بلکہ ان کو اس پر بھی اصرار ہے کہ کلیسا کے ہفتہ وار جلسے اتوار ہی کو ہوں، اس حکومت میں ہر ہفتے کے دن کھانا پکانا فوجیوں کے لیے بھی حرام ہے۔...

... لیکن انگریزی صحافت اور رائے عامہ کو اس میں تضحیک کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا بلکہ یہ ان کے نزدیک انتہائی قابل قدر چیز ہے۔...

...لیکن ٹھیک اسی وقت ہمارے معاشرہ میں اس نے اپنے ایجنٹ بر آمد کیے، جن کی ساری کارگزاریوں، تمام مساعی کی اصل غرض اور اس کا خلاصہ ہے "مذہب وسیاست کی تفریق"، جب وہ سنتے ہیں کہ فلاں اسلامی ملک میں دستور کی رو سے اسلام حکومت کا سرکاری مذہب تسلیم کیا جارہاہے تو ان پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے، اور قومی ترقیات اور پیداوار میں رمضان کے نقصانات سے رسائل اور اخبارات کے صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالتے ہیں۔...

...زبان کے معاملہ میں ایک طرف ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے لیے عربی زبان کی دقت اور اس کا رسم الخط ایک اہم ترین مسئلہ بناہوا ہے، ہم کبھی لاطینی حروف کو اختیار کرنے کی باتیں کرتے ہیں، کبھی عربی زبان کو پسماندہ قرار دے کر علم وتعلیم کے میدان سے ہٹادینے کی کوشش کرتے ہیں، ادھر حال یہ ہے کہ وہ عبرانی زبان جو دو ہزار برس قبل مٹ چکی تھی، اب علم وادب، صحافت وسیاست اور سائنس کی زبان بن چکی ہے۔"[11]

نوجوان طبقہ

اس رپورٹ میں نوجوان طبقہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ رپورٹ میں جہاں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ تمام شدت پسند گروہوں کی اکثریت نوجوان طبقہ پر مشتمل ہے اور شدت پسند گروہ نوجوان طبقہ کو اپنی طرف مائل کرنے میں بہت کامیاب رہے ہیں، وہیں عالم اسلام میں جدید اسلام کو پھیلانے میں بھی سب سے زیادہ توقع انہیں اسی طبقہ سے ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نوجوان طبقہ ہی نئے خیالات اور نظریات کی طرف مائل ہونے اور انہیں اپنانے کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے اور اسی طبقہ کی زیادہ آسانی سے "برین واشنگ" کی جاسکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ نوجوانوں کی فطری کمزوریوں کا استحصال کرتے ہوئے انہیں بے راہرویوں کی طرف مائل کرنا مغرب کے لیے کسی بھی اور کام کی نسبت زیادہ آسان ہے۔

[11] مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

نوجوان طبقہ کا شکار کرنے کے لیے اس رپورٹ میں دو اہم ہتھیاروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک نظام تعلیم اور دوسرا میڈیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بنیاد پرستی سے وابستہ بالغ افراد کے ذہنوں کو تبدیل کرنا بہت مشکل ہے اس کی بجائے نئی نسل پر کام کرنا آسان ہے اور ان کی ذہن سازی نصاب میں تبدیلی اور میڈیا کے ذریعہ سے کی جائے۔

نظام تعلیم

جدید نظام تعلیم

یہ بات مسلّمہ ہے اور ڈیڑھ صدی سے بھی زیادہ عرصے کے تجربے اور مشاہدے سے ثابت شدہ ہے کہ مغرب کے پاس اسلام کے خلاف اتنا مؤثر ہتھیار اور کوئی نہیں رہا جتنا جدید نظام تعلیم رہا ہے۔ اسی ہتھیار کی مدد سے مغرب آج تک عالم اسلام میں نوجوانوں کی اپنی مرضی کے مطابق ذہن سازی بلکہ ان کی اپنی اصطلاح میں 'برین واشنگ' کرتا آرہا ہے۔ مسلمانوں کے اندر لادین، جدت پسند حتیٰ کہ نام نہاد 'اصلاح پسند' طبقہ بھی اصل میں کسی فطری رجحان کی بدولت پیدا نہیں ہوا بلکہ اسی جدید نظام تعلیم کا ہی مرہون منت ہے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس میں دلائل دینے کی اگرچہ کوئی ضرورت نہیں لیکن یہاں مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" سے چند اقتباسات اس مسئلے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے نقل کیے جارہے ہیں:

"مغربی نظام تعلیم اپنی ایک روح اور اپنا ایک منفرد ضمیر رکھتا ہے، جو اپنے مصنفین اور مرتبین کے عقیدہ و ذہنیت کا عکس، ہزاروں سال کے طبعی ارتقاء کا نتیجہ، اہل مغرب کے مسلّمہ افکار و اقدار کا مجموعہ اور ان کی تعبیر ہے۔ یہ نظامِ تعلیم جس کسی اسلامی ملک یا مسلمان معاشرہ میں نافذ کیا جائے گا تو اس سے ابتداءً ذہنی کشمکش، پھر اعتقادی تزلزل، پھر ذہنی اور بعد میں (اِلّاماشاءاللہ) دینی ارتداد قدرتی ہے۔

...یہ مغربی نظام تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے قسم کی لیکن خاموش نسل کشی (Genocide) کے مرادف ہے، عقلاً مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام

طریقہ کو چھوڑ کر اس کو اپنے سانچہ میں ڈھال لینے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے جابجا مراکز قائم کیے جن کو تعلیمی اداروں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا...

...چند مستثنٰی شخصیات کو چھوڑ کر جن کی فطرت یا خارجی مؤثرات و واقعات نے ان کے نورِ ایمان اور فہمِ اسلام کی حفاظت کی، یا ان کے اندر مغرب کی تہذیب و فکر کے خلاف شدید ردّ عمل پیدا ہوا، عام طور پر عرب و عجمی ممالک کے ذہین مسلم نوجوانوں کو (جو اپنی قوم کا جوہر اور سرمایہ تھے) اس نظام تعلیم کے تیزاب نے اتنا بدل دیا کہ نہ اسلام (اپنی صحیح شکل و صورت میں) ان کے جدید ذہن میں فٹ ہو سکتا ہے، اور نہ وہ عام اسلامی معاشرہ میں فٹ ہوتے ہیں۔"[12]

یہ بات تو اس جدید نظام تعلیم کے آغاز سے ہی طالب علموں کے ذہنوں میں راسخ کی جاتی آ رہی ہے کہ ہمارے مسائل کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم ترقی میں مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔ ہمارا ملک پسماندہ ہے جبکہ مغربی ممالک ترقی یافتہ ہیں۔ اور اگر ہم نے ان ممالک کی طرح ترقی یافتہ ہونا ہے تو ہمیں بھی انہیں طریقوں پر عمل کرنا ہو گا جن طریقوں پر عمل کر کے مغرب ترقی یافتہ ہوا ہے۔

پچھلے دو عشروں میں جدید تعلیم کے نصاب میں خاطر خواہ تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں۔ نصاب سے ہر وہ چیز کھرچ کر نکال دی گئی جس میں جہاد یا کفر سے عداوت کا کوئی شائبہ بھی ملتا ہو۔ جبکہ ان چیزوں کی جگہ نصاب میں جدت پسند نظریات کو متعارف کروایا جا رہا ہے۔

اس حوالے سے ایک اور حربہ جدید تعلیمی نظام میں 'اسلامیات' کے مضمون کا استعمال کیا گیا۔ جدید تعلیم کے نصاب میں اسلامیات کا ایک مضمون دیندار طبقہ کا یہ اعتراض ختم کرنے کے لیے شامل کیا گیا تھا کہ جدید تعلیم میں اسلامی تعلیمات کی کوئی جگہ نہیں۔ لیکن ۲۰۰۱ء کے بعد سے یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں اس مضمون کو پڑھانے کے لیے منتخب کر کے ملحد، بے دین اور جدت پسند پروفیسر رکھے گئے جو اسلام کی تعلیم دینے کے نام پر طلبہ کے ذہن میں

[12] مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تشکیک کے بیج بوتے ہیں۔ یہ انہی پروفیسروں کی مرہون منت ہے کہ ان اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آج کے نوجوان طبقہ کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل ہے کہ اسلامی تاریخ مبالغہ آرائی پر مبنی افسانوں اور کہانیوں کا اور جھوٹ کا پلندہ ہے، قرآن کی تمام تفاسیر ان مفسرین کی صرف ذاتی رائے ہے، حدیث کی صحت کو جانچنے کا کوئی بھی قابل اعتبار ذریعہ موجود نہیں، جبکہ حدیث کو جانچنے کے جس پیچیدہ نظام کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ فقط جھوٹ ہے، اسی طرح فقہ کی اہمیت تو بعد کے ادوار میں آنے والے افراد کی ذاتی آراء و نظریات کے سوا کچھ نہیں وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو عشروں میں کسی غیرت مند طالب علم کے ہاتھوں اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے والے اسلامیات کے کسی پروفیسر کے قتل کی یا ایسے اساتذہ کے خلاف احتجاج وغیرہ کی خبریں ملتی رہی ہیں۔

نوجوان طلبہ میں تشکیک کے بیج بونے کے لیے ایک نئی چال یہ ہے کہ پاکستان میں یونیورسٹیوں میں ڈگری حاصل کرنے کے لیے قرآن کا ترجمہ پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ان چالوں میں اتنا دجل پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص اعتراض بھی نہیں کر سکتا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو، کیونکہ اعتراض کرنے والا خود برا بنے گا کہ ایک طرف خود دینی تعلیم کی بات کرتے ہو اور اگر شامل کی جارہی ہے تو اس پر بھی اعتراض ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ تو لازمی کیا گیا ہے لیکن اس کے لیے نہ تو یہ لازمی ہے کہ یہ ترجمہ مستند علمائے کرام پڑھائیں گے اور نہ ہی یہ لازمی ہے کہ اس کے لیے معتبر تراجم کو استعمال کیا جائے گا۔ اگر پڑھانے والے وہی ملحد اور دین بیزار پروفیسر ہوں اور ترجمہ بھی انہوں نے اپنی مرضی کے کسی جدت پسند کا منتخب کیا ہو تو تشکیک کے بیج بونے اور مسلمان نوجوانوں کی جدت پسندی سے متعلق ''برین واشنگ'' کرنے کا اس سے بہتر حربہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

دینی تعلیم

عالم اسلام میں دینی مدارس اور دینی تعلیم مغرب کے لیے مستقل پریشانی کا باعث ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دینی تعلیم اور دینی احکام کی تشریحات پر 'بنیاد پرستوں' اور 'روایت پسندوں' کی 'اجارہ داری' کو ختم کیا جائے اور ان میں جدت پسند عناصر اور نظریات کو متعارف کروایا جائے۔

دینی تعلیم کے نصاب میں تبدیلی کا کام بہت سست روی کے ساتھ اور بہت ڈھکے چھپے انداز میں جاری ہے کیونکہ یہ معاملہ زیادہ حسّاس ہے۔ اس کی جگہ دینی تعلیمی اداروں میں جدت پسند افکار کے حامل افراد کا نفوذ بہت زور و شور سے جاری ہے۔ اس حوالے سے وہ دینی تعلیمی ادارے جو براہ راست حکومتوں کی زیر سرپرستی یا زیر نگرانی کام کرتے ہیں ان میں تبدیلی بہت واضح نظر آ رہی ہے۔ پاکستان میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اور اسی طرح دیگر عالم اسلام میں موجود دینی تعلیم کی یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم یونیورسٹی کی ڈگری کے حصول تک محدود ہو گئی ہے۔ ان اداروں میں اساتذہ کا چناؤ تو پہلے سے ہی تھا اب نصاب تعلیم کی تیاری بھی ایسے افراد کی قیادت میں کی جا رہی ہے جو بالاصل مغربی مستشرقین کے تلامذہ ہیں۔ اسی طرح ان یونیورسٹیوں میں علوم شریعہ کے لیے ایسے اساتذہ بھی نظر آتے ہیں جو نہ تو دین پر عامل ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کی عظمت کے قائل بلکہ مغربی افکار و تہذیب سے مرعوبیت ان میں واضح نظر آتی ہے۔

پاکستان میں دینی مدارس میں بھی نصاب میں تبدیلی کے حوالے سے اتنی کامیابی تو حاصل نہیں ہو پائی لیکن جاوید احمد غامدی کے افکار سے متاثر جدیدیت کی طرف مائل اساتذہ کو داخل کروانے میں کسی حد تک کامیابی ضرور حاصل ہوئی ہے اور اس ہدف پر مستقل کام جاری ہے۔

ایک اور طریقہ جس کے ذریعہ دینی مدارس کو جدت پسندی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ انہیں وطن پرستی کے سراب میں مبتلا کر کے اور اپنے مدارس کی تشہیر کا جھانسا دے کر ان میں ڈیجیٹل میڈیا کے استعمال کو عام کیا جا رہا ہے۔ مدارس کے اپنے میڈیا ادارے قائم ہو رہے ہیں جہاں سے جدید گلوکاروں اور موسیقاروں کی طرز پر نظموں اور نعتوں کی فلم بندی کی جا رہی ہے اور بہت سے مدارس کے طلبہ میڈیا پر نظر آنے کے شوق میں اس کی طرف تیزی سے متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسی طرح جدید طرز پر کھیلوں کے مقابلے، جشنِ آزادیِ پاکستان کی تقریبات اور اس طرح کے بہت سے دیگر حیلے بہانوں سے مدارس کو آہستہ آہستہ جدیدیت کی طرف راغب کیا جا رہا ہے۔

دینی مدارس کے طلبا کو جدیدیت کی طرف مائل کرنے کی ایک اور کوشش یہ ہے کہ انہیں معاشی اہداف حاصل کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔ نام نہاد ''اسلامی بنکاری'' کے شعبوں میں مدارس سے فارغ التحصیل افراد کے

لیے اعلیٰ تنخواہوں کی آسامیاں پیدا کی جارہی ہیں جس کی وجہ سے مدارس میں طلباء کا ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو دینی تعلیم، اسلام کی خدمت کے جذبے کی بجائے، اچھی تنخواہ والی نوکری کے حصول کے ذریعہ کے طور پر حاصل کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ حال ہی میں حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے گا اور دینی مدارس کو بھی اس کے تحت لایا جائے گا۔ اگر حکومت اس میں کامیاب ہو جاتی ہے، اور جس طرح سے دینی مدارس ایک ایک کر کے تمام حکومتی مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیکتے چلے جارہے ہیں اس سے لگتا یہی ہے کہ جلد یا بدیر اس میں کامیاب ہو جائے گی، تو پھر حکومت کے لیے دینی تعلیم کے نصاب میں تبدیلی اور اس میں جدت پسندی کے افکار داخل کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

میڈیا

ڈیجیٹل میڈیا

نظام تعلیم کے علاوہ دوسرا موثر ترین ہتھیار ڈیجیٹل میڈیا جس میں خاص طور پر ٹی وی چینل اور فلمیں ہیں۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو صرف نوجوانوں کو نہیں بلکہ معاشرہ کے تمام افراد کو متاثر کرتا ہے بلکہ صحیح معنوں میں انہیں سحر زدہ کر دیتا ہے۔ معاشرہ کی اکثریت اسی بات کو سچ کہنے لگتی ہے جسے میڈیا سچ کہے، چاہے اس کا جھوٹ ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہی کیوں نہ ہو۔ وہی معاشرہ کی اکثریت کے لیے ملک کا اہم ترین مسئلہ ہے جسے میڈیا اہم ترین مسئلہ قرار دے دے۔ اچھے وہ ہیں جنہیں میڈیا اچھا کہے اور برے وہ جنہیں میڈیا برا کہے۔ میڈیا پر جھوٹ اتنے اعتماد کے ساتھ بولا جاتا ہے کہ عینی شاہد بھی شک میں پڑ جائے کہ شاید میں نے ہی غلط دیکھا تھا۔

میڈیا کس طرح لوگوں کی آراء اور نقطہ نظر کو متاثر کرتا ہے اس کی ایک مثال گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ پر ہونے والا حملہ ہے۔ حملے کی خبریں آنے کے بعد پورے عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص خوش نظر آرہا تھا، ہر شخص کو یقین تھا یہ کام مجاہدین نے کیا ہے اور کسی کو اس سے برعکس کا کوئی گمان نہیں تھا۔ لیکن پھر میڈیا نے اپنا دجل

پھیلانا شروع کیا۔ اس کاروائی کی برائیاں شروع کیں اسے غیر انسانی فعل قرار دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس پر سازشی نظریات بھی گھڑنا شروع کر دیے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہی سازشی نظریات ہر خاص وعام کی زبان سے بھی نکلنے لگے۔

اس رپورٹ میں جتنے بھی اہداف طے کیے گئے ہیں ان سب کو حاصل کرنے میں بہت بڑا کردار میڈیا کا ضرور رہتا ہے۔ اس حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

- مجاہدین کی کردار کشی کا ہدف ہو تو میڈیا پر فلموں اور ڈراموں میں ان کے فرضی کردار بنا کر اس ذریعہ سے مجاہدین کی کردار کشی اور مجاہدین کے دشمنوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مجاہدین سے متعلق خبروں کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور اس حوالے سے کمال ڈھٹائی اور بے باکی سے سفید جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستانی طالبان کے سابق ترجمان مولانا اعظم طارق نے ایک ویڈیو بیان جاری کیا جس میں وہ بات کرتے وقت ہاتھ میں قلم لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میڈیا نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ خبر یہ دی کہ وہ ہاتھ میں سگریٹ لے کر بیٹھے تھے۔
- رپورٹ میں ہدف رکھا گیا کہ میڈیا میں مجاہدین کو ذہنی مریض اور ان کی کاروائیوں کو بزدلانہ دکھایا جائے اور ان کی کسی طرح بھی تعریف نہ کی جائے۔ یہی چیز خبروں میں واضح نظر آتی ہے۔ چاہے کاروائی جتنی مرضی غیر مندانہ اور دلیرانہ کیوں نہ ہو اسے اس کی خبر اسی طرح سے پیش کیا جاتا ہے کہ وحشیانہ اور بزدلانہ کاروائی۔ اس کے علاوہ مجاہدین اور دیندار طبقہکے حوالے سے جتنی بھی منفی اصطلاحات مغرب لوگوں میں متعارف کروانا چاہتا ہے میڈیا پر اسی کا راگ الاپا جانے لگتا ہے۔
- رپورٹ میں ہدف رکھا گیا کہ مجاہدین کو سفاک، وحشی اور ظالم دکھایا جائے اس حوالے سے جیسے پیچھے ذکر آیا کہ ''شیما افیکٹ'' کا استعمال تو کیا ہی جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی بے دریغ جھوٹ بول کر بھی مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲۰۱۰ء میں پاکستانی فوج کے ایک قافلے پر حملہ ہوا۔ بی بی سی کی ویب سائٹ پر ابتداء میں اس کی خبر یوں لگی: ''درّہ آدم خیل کے قریب شاہراہ پر فوجی کانوائے پر حملہ۔ اسّی (۸۰) فوجی ہلاک۔ کچھ دیر بعد آئی ایس پی آر

کی طرف سے سرزنش کی گئی تو خبر کو یوں تبدیل کر دیا گیا: ''درّہ آدم خیل کے قریب شاہراہ پر فوجی کانوائے پر حملہ۔ ایک عورت اور بچے سمیت دس عام شہری ہلاک''۔ اب یہاں پر کسی بھی عقل رکھنے والے شخص کے ذہن میں سوال اٹھ سکتا ہے کہ حملہ تو آبادی سے ہٹ کر شاہراہ پر ہوا وہاں عورتیں اور بچے اور اتنی عام آبادی کا کیا کام؟ اور دوسرا حملہ تو فوجی قافلے پر ہوا تھا خبر میں اُس کا تو ذکر نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟

- رپورٹ میں ہدف رکھا گیا کہ مجاہدین اور دیندار طبقہ کے درمیان اختلافات کو ہوا دی جائے اور اس کی خوب تشہیر کی جائے۔ اس حوالے سے دیندار طبقہ کی کسی شخصیت کی طرف سے مجاہدین کے خلاف بیان کو یا کسی فتوے کو تو خوب اچھالا جاتا ہی ہے، اس کے علاوہ مجاہدن کی کاروائیوں پر بھی دیندار طبقہ کی نمایاں شخصیات سے مذمتی بیانات لیے جاتے ہیں اور زبردستی ان سے اپنی مرضی کے الفاظ بلوائے جاتے ہیں بلکہ صحیح معنوں میں اپنے الفاظ ان کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر اگر کوئی دیندار شخصیت واقعہ کی براہ راست مذمت کرنے سے انکار کرے تو پھر ہر طرف سے اُس شخصیت کی مذمت کروائی جاتی ہے اور اسے بدنام کیا جاتا ہے۔
- رپورٹ میں ہدف رکھا گیا کہ اسلامی احکامات کی تشریحات کے حوالے سے دیندار طبقہ کی ساکھ اور اعتبار کو کمزور کیا جائے تاکہ ان کے مقابلے میں جدت پسندوں کی ساکھ بہتر ہو سکے۔ اس حوالے سے علماء کو مختلف 'ٹالک شوز' اور دیگر پروگراموں میں مختلف موضوعات پر بحث کے لیے بلایا جاتا ہے اور اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جو موضوع منتخب کیا گیا ہے اس کے لیے کسی ایسے عالم کو بلایا جائے جس کی اس موضوع پر گرفت کمزور ہو۔ پھر اس موضوع پر ان عالم کو مختلف طریقوں سے پھنسانے اور ان کی لاعلمی کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی طرح علماء کو مختلف 'ٹالک شوز' میں بلوا کر جدت پسندوں اور لادین طبقہ کے مقابلے میں بٹھایا جاتا ہے اور ان کے ہاتھوں ان کی تضحیک و توہین کروائی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ انہیں اشتعال دلایا جائے تاکہ غصے میں آکر کوئی ایسی بات کہہ دیں جسے ان کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ اسی طرح مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو کسی پروگرام میں اکٹھے بٹھایا جاتا ہے اور اختلافی موضوعات پر ان کی بحث کروا کر انہیں بدنام کیا جاتا ہے۔

- رپورٹ میں ہدف طے کیا گیا کہ جدت پسند طبقہ کے مثالی نمونے اور قائدین تیار کیے جائیں۔ اس حوالے سے بھی میڈیا ہی سب سے کارآمد ہتھیار بنتا ہے۔ جس کسی کو بھی مثالی نمونے کے طور پر یا قائد کے طور پر سامنے لانا ہو اس کی میڈیا پر خوب تشہیر کی جاتی ہے اس کے ہر ہر کام پر تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں اور اسے بار بار میڈیا پر دکھا کر اسے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- نوجوان طبقہ میں تشکیک کے بیج بونے کے لیے میڈیا پر مختلف پروگرامات کیے جاتے ہیں جن میں اسلامی محکمات پر سوال اٹھائے جاتے ہیں اور ان سے متعلق ذہنوں میں ابہام پیدا کیا جاتا ہے جبکہ ان کے مقابلے میں جدت پسند آراء کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے پاکستان میں جاوید غامدی بہت سے ٹی وی چینلز پر اسلامی احکامات کے حوالے سے تشکیک پھیلانے اور جدت پسند نظریات کی ترویج کی خدمت پورے اخلاص سے انجام دے رہا ہے۔

انٹرنیٹ

جنسی بے راہ روی کا ذریعہ:

اس رپورٹ میں نوجوان طبقہ سے متعلق 'بنیاد پرستی' کی اس 'کمزوری' کا اظہار کیا کہ یہ نوجوانوں کے فطری 'رومانوی جذبات' اور 'جنسی خواہشات' کو دبانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس لیے مغرب نے نوجوانوں کو 'بنیاد پرستی' سے دور کرنے کے لیے نوجوانوں کی انہی فطری کمزوریوں کا استحصال کرنا شروع کیا۔

جدید تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیمی نظام بھی اگرچہ اس مقصد کو کسی درجے میں حاصل کر رہا ہے، اور اسی طرح ڈیجیٹل میڈیا یعنی ٹی وی اور کیبل وغیرہ کے ذریعہ بھی اس مقصد کے حصول کی کوشش کی جاتی ہیں اور ان دونوں کا اس کام میں اپنا اپنا مقام ہے لیکن یہ دونوں اُس تیزی سے اور اتنے مؤثر انداز میں ہدف کو حاصل نہیں کر سکتے جتنی تیزی سے انٹرنیٹ کر سکتا ہے۔ اس لیے انٹرنیٹ کو نوجوانوں کی فطری کمزوریوں کا استحصال کرنے کا بہترین ذریعہ بنا دیا گیا۔ اور سوشل میڈیا کے آجانے سے اس مقصد میں کہیں زیادہ آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

ذہنی انحطاط کا باعث:

رپورٹ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ 'بنیاد پرستوں' اور 'روایت پسندوں' کی طرف سے بہت زیادہ ابلاغی تحاریر عام مسلمانوں کی پہنچ میں ہیں جبکہ جدت پسند صرف علمی مقالے اور اداریے ہی تحریر کرتے ہیں اس لیے جدت پسندوں کو اس طرف راغب کیا جائے کہ وہ بھی مسلمانوں کی اکثریات کے لیے تحاریر لکھیں۔ لیکن اس حوالے سے خاطر خواہ کامیابی ملنے کا امکان کم تھا اس لیے متبادل حل یہ نکالا گیا کہ نوجوانوں کے اندر سے تحریر پڑھنے کا ذوق ہی ختم کر دیا جائے۔ نوجوانوں میں ذہنی انحطاط کی حالت یہاں تک آچکی ہے کہ پہلے معاملہ کتاب سے کتابچے پر آیا، پھر ایک ورقے کے پمفلٹ تک بات آئی، پھر چند پیراگراف کے بلاگ پوسٹ اور اب حالت یہ ہے ایک جملے کے 'ٹویٹ' یا 'اسٹیٹس میسج' سے زیادہ بڑی تحریر پڑھنے کا حوصلہ نوجوانوں میں نہیں۔ اس میں بھی لایعنی پیغامات کا ایسا سیلاب ہے کہ کوئی بامقصد پیغام نوجوانوں تک پہنچ جائے اور ان پر اثر کر جائے اس کے امکانات بہت کم ہو گئے ہیں۔ اس طرح 'سوشل گیمز' اور سوشل میڈیا پر دیگر تفریحی سرگرمیوں کو متعارف کروا کر ان فضولیات میں نوجوانوں کو ایسا مگن کر دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی بامقصد سوچ ہی پیدا نہ ہو پائے۔

بے حسی اور بے عملی کا باعث:

پھر بھی اگر نوجوانوں کا ضمیر انہیں ملامت کرے اور اس بے مقصدیت پر ان کے دل میں خلش پیدا ہو جائے، اور جیسا کہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ نوجوانوں کی طرف سے 'بنیاد پرستوں' سے جڑنے کی ایک سب سے بڑی وجہ کسی اعلیٰ مقصد سے جڑنے کا احساس ہے۔ اس چیز کا حل بھی سوشل میڈیا پر دے دیا گیا۔ آپ کو معاشرتی مسائل پر اعتراض ہے یا عالمی مسائل پر یا کسی خاص واقعہ پر، آپ اس بارے میں 'پوسٹ' شیئر کریں، 'اسٹیٹس اپ ڈیٹ' کریں، فیس بک کا کوئی 'پیج' 'لائک' کریں۔ کسی آن لائن 'مہم' کا حصہ بنیں اور اس مہم سے متعلق 'پوسٹس' کو 'لائک' اور 'شیئر' کرتے رہیں۔ نبی ﷺ کے خاکے بنائے جا رہے ہوں یا دیگر شعائر اسلام کی توہین کی جا رہی ہو یا کشمیر، برما، فلسطین، افریقہ وغیرہ میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہو، تو احتجاجاً اپنی 'پروفائل' کی تصویر کو کالا کر لیں یا اس پر کوئی احتجاجی پیغام

درج کرلیں اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرلیں کہ ہاں، ہم بھی کسی 'اعلیٰ مقصد' کے ساتھ جڑ گئے ہیں۔ لیکن اس ذریعہ سے بھی اگر کوئی 'شدت پسند' آپ تک حقائق پہنچانے کی اور آپ کو اس سحر سے نکال کر آپ کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرے گا تو 'سوشل میڈیا پالیسی' کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں اس کا 'اکاؤنٹ' ختم کر کے اسے سوشل میڈیا سے نکال باہر کیا جائے گا۔

تشکیک پھیلانے کا ذریعہ:

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد مغرب کے باشندوں میں اسلام کے حوالے سے بہت دلچسپی پیدا ہوئی اور لوگوں نے اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کی جس کی وجہ سے مغربی ممالک کے باشندوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان بڑھا۔ ایک اندازے کے مطابق گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد دو سال میں صرف امریکہ میں بیس ہزار کے قریب لوگ مسلمان ہوئے۔ مغرب میں اسلام کے جدت پسند افکار کو مدوّن کرنے اور پھیلانے کے لیے ابھی بہت کام باقی تھا اس لیے فوری طور پر مغرب میں اسلام پھیلنے کے خطرے سے نمٹنے کے لیے مغربی ممالک میں بڑی سطح پر مرتدین کی زندگیوں پر کتابیں کرائے کے لکھاریوں (ghost writers) کی مدد سے اور "میں نے اسلام کیوں چھوڑا" (Why I left Islam) کے عنوان سے لکھنا اور چھاپنا شروع کیں۔ اس حوالے سے انٹرنیٹ پر سب سے نمایاں کام کینیڈا میں مقیم ایک ایرانی مرتد علی سینا کا رہا۔ اس شخص نے ایک ادارہ 'فیتھ فریڈم انٹرنیشنل' (Faith Freedom International) کے نام سے قائم کیا اور اس کا انٹرنیٹ پر ایک 'ڈسکشن فورم' بھی قائم کیا۔ اس ادارے اور اس سے منسلک فورم کا کام مسلمان نوجوانوں کو ارتداد کی طرف راغب کرنا اور پہلے سے مرتد ہوئے لوگوں کو ان کے ارتداد پر دلائل فراہم کرنا تھا۔ اس کی ویب سائٹ پر چیلنج کیا گیا تھا کہ اس کی طرف سے جو اسلام اور نبی ﷺ کے حوالے سے توہین آمیز دعوے کیے گئے ہیں اسے جو غلط ثابت کرے گا اسے پچاس ہزار ڈالر انعام دیا جائے گا۔ اس کے 'ڈسکشن فورم' پر بہت سی ایسی مثالیں نظر آتی ہیں کہ کوئی نوجوان اس فورم پر جذباتی انداز میں بحث کرنے کے لیے آیا اور کچھ عرصے کے بعد وہ بھی مرتد ہو کر اس کا حامی بن گیا۔

اس مرحلے کے بعد جیسا کہ رپورٹ میں تجویز کیا گیا، ایسی ویب سائٹس شروع کی گئیں جو مسلمان نوجوانوں کو روز مرّہ کی زندگی کے اسلامی احکامات سے متعلق سوالات کے بارے میں جدّت پسند مؤقف فراہم کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر ویب سائٹس یہ وضاحت بھی نہیں دیتیں کہ وہ اس جدت پسند مؤقف فراہم کر رہی ہیں بلکہ پورے اسلامی رنگ ڈھنگ میں اور قرآن و احادیث کا ہی سہارا لیتے ہوئے اسی انداز میں جدت پسند مؤقف فراہم کیا جاتا ہے جیسے اصل اسلامی احکام ہی یہی ہیں۔

پاکستان میں اس حوالے سے نمایاں کام جاوید احمد غامدی اور اس کے ادارے 'المورد' کا ہے جنہوں نے اس حوالے سے ایک ویب سائٹ بنا رکھی ہے جہاں پر فقہ، تفاسیر اور احادیث کی حیثیت کے حوالے سے تشکیک کے بیج بونے کا کام کیا جاتا ہے اور اسلامی احکامات سے متعلق سوالات کے جواب میں غامدی کی جدت پسند آراء پیش کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر بھی دیندار طبقہ سے وابستہ بعض غامدی سے متاثر شخصیات بھی جدت پسند اسلام کو پھیلانے کا کام کر رہی ہیں۔

دیگر اہداف

طبقہ خواتین

اگرچہ رپورٹ میں جتنے بھی اہداف رکھے گئے ہیں ان سے جہاں مرد متاثر ہوتے ہیں وہیں خواتین بھی متاثر ہوتی ہیں لیکن خواتین کو علیحدہ سے بھی اہمیت دی گئی ہے۔ مغرب کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمان عورت کو بازاروں اور سڑکوں پر نکالا جائے اور عورت کو معاشرہ کے لیے فتنہ بنایا جائے۔ مغرب ہمیشہ زور دیتا ہے کہ کثرت پیداوار اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ عورت گھر سے باہر آجائے حالانکہ ہزاروں مرد گھروں میں بیکار اور بیروزگار بیٹھے ہوتے ہیں۔

عورتوں کے حوالے سے مغرب نے سعودی عرب میں جو اہداف حاصل کیے ان کا پیچھے ذکر آ گیا ہے لیکن یہاں پھر اجمالی طور پر ان کا ذکر کر دیتے ہیں:

- سعودیہ میں خواتین کے لیے بازار میں جانے کے لیے حجاب کی پابندی ختم کر دی گئی ہے۔ اسے سعودی معاشرہ میں سب سے اہم پیش رفت سمجھا جا رہا ہے۔
- سعودی عرب میں پہلے یہ قانون تھا کہ عورت کو سفر کرنے کے لیے، پڑھائی کے لیے جانے کے لیے یا کوئی نوکری کرنے کے لیے اپنے مرد ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن ۲۰۱۷ء میں یہ قانون ختم کر دیا گیا۔ اب خواتین کسی مرد ولی سے پوچھے بغیر کہیں بھی آ جا سکتی ہیں، پڑھائی کے لیے کہیں بھی داخلہ لے سکتی ہیں اور کسی بھی ادارے میں کام کر سکتی ہیں۔
- ۲۰۱۱ء میں سعودی خواتین کو بلدیاتی الیکشنز میں بطور امیدوار کھڑا ہونے کی اجازت دے دی گئی۔
- ۲۰۱۷ء میں سعودی اسٹاک ایکسچینج کی پہلی خاتون سربراہ منتخب کی گئی۔
- ۲۰۱۸ء سے سعودی خواتین اب کسی بھی مرد ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا کاروبار شروع کر سکتی ہیں اور چلا سکتی ہیں۔
- سعودیہ میں شروع کیے گئے سینما، منعقد کیے جانے والے موسیقی کے کانسرٹ اور کھیلوں کے مقابلوں میں مخلوط شائقین کی اجازت دی گئی ہے۔
- ۲۰۱۸ء میں سعودیہ میں خواتین کو گاڑی چلانے کی اجازت دے دی گئی۔
- سعودیہ میں اب خواتین کو اجازت ہے کہ وہ نامحرم مردوں کے ساتھ ہوٹل میں کمرہ حاصل کر سکیں۔

یہ وہ اہداف ہیں جو اگرچہ سعودی معاشرہ کے لیے تو جدت پسندی کی طرف پیش قدمی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن پاکستان یا اس جیسے دیگر مسلم معاشروں میں یہ اہداف حاصل شدہ ہیں اس لیے یہاں اس سے آگے کے اہداف سامنے رکھے گئے مثلاً:

- لاہور میں ۲۰۰۵ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک سالانہ مخلوط میر تھن ریس منعقد کی گئیں۔
- ۲۰۰۶ء میں حکومت نے تحفظِ نسواں بل کے نام سے ایک بل پاس کیا۔ اس بل کے تحت 'زنا بالرضا' پر پولیس کو مرد اور عورت کو گرفتار کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ بلکہ اس وقت تک کوئی قانونی کاروائی نہیں کی جاسکتی جب تک کہ کوئی باقاعدہ طور پر عدالت میں اس کے خلاف کیس درج نہیں کروادیتا۔
- ۲۰۱۹ء سے پاکستان میں "عورت آزادی مارچ" منعقد کروایا جارہا ہے جس میں جدت پسند اور لادین عورتوں کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔ ۲۰۱۹ء کے مظاہرے میں "میرا جسم میری مرضی" اور اس جیسے بہت سے فحش نعرے متعارف کروائے گئے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اگلے سال سے دینی جماعتوں نے "حقوق نسواں مارچ" منعقد کرنا شروع کیا جس میں "باپردہ خواتین" سڑکوں پر "عورتوں کے حقوق" کے لیے "مارچ" کرتی ہیں۔
- پورے ملک میں عورتوں کے موٹر سائیکل چلانے پر تحریض دلانے کے لیے مہم شروع کی گئی۔ عوامی سطح پر عورتوں کو موٹر سائیکل سکھانے کے پروگرامات منعقد کیے گیے اور انہیں میڈیا پر خوب پزیرائی دی گئی۔ اب پاکستانی شہروں کی سڑکوں پر عورتوں کا موٹر سائیکل چلاتے نظر آنا ایک معمول کی بات بن چکی ہے۔

غیر اسلامی ثقافت اور تاریخ کی ترویج

رپورٹ میں مسلمانوں کو اس بات پر قائل کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے کہ اسلام ان کی اصل شناخت نہیں بلکہ ان کی اصل شناخت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دیگر اہداف کے ساتھ یہ ہدف بھی طے کیا گیا کہ مسلم معاشروں میں ان خطوں کی اسلام سے پہلے کی تاریخ اور ان خطوں کی غیر اسلامی ثقافت کو فروغ دیا جائے اور مسلمانوں کو باور کروایا جائے کہ یہ ان کی اپنی ثقافت اور اپنی تاریخ ہے۔

اسلام سے پہلے کی تاریخ کے حوالے سے اہم کام اسلام سے پہلے کے حکمرانوں اور غیر اسلامی شخصیات کو بطور ہیرو پیش کرنا ہے جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- مصر میں فراعنہ کو مصر کے اصلی حکمران ہونے کی حیثیت سے انہیں عزت واکرام دینے پر زور دیا جاتا ہے۔

- پنجاب میں رنجیت سنگھ کو پنجاب کے حکمران کے طور پر باعث فخر اور ثقافتی ورثہ قرار دیا جارہا ہے اور اس کے اعزاز واحترام میں لاہور میں اس کا ایک مجسمہ بھی نصب کیا گیا ہے۔
- سندھ میں راجہ داہر کو ''قومی ہیرو''، اور قومی ورثہ قرار دینے کی مہم چلائی جارہی ہے اور مختلف تنظیموں کی طرف سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ جس طرح پنجاب میں رنجیت سنگھ کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے، سندھ میں بھی راجہ داہر کا مجسمہ نصب کیا جائے۔
- پاکستان میں بھگت سنگھ کو برطانوی راج سے آزادی کا ایک ہیرو قرار دینے کے لیے بہت مہم چلائی گئی اور اس کے اعزاز میں لاہور میں ''شادمان چوک'' کا نام بدل کر بھگت سنگھ چوک رکھ دیا گیا۔

غیر اسلامی ثقافت کو اسلامی معاشروں میں ترویج دینے کے لیے بہت سے غیر اسلامی تہواروں کو مقبول کیا جا رہا ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

- پہلے بہار کی آمد کا ہندو تہوار ''بسنت'' پاکستان میں صرف لاہور میں منایا جاتا تھا اب اسے پورے ملک میں عام کیا جا رہا ہے۔
- بہار کی آمد اور نئے سال کے شروع ہونے کے قدیم ایرانی تہوار ''نوروز'' کو افغانستان، ایران اور وسط ایشیائی ریاستوں میں جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی اہمیت عید کے برابر ہو جائے۔
- مصر میں قبطی عیسائیوں کے بہار کے تہوار شم النسیم کو پورے ملک میں مسلمانوں کی طرف سے بھی جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔
- بنگلہ دیش میں ۹۰ء کی دہائی سے بہار کا تہوار ''پہلا فالگن'' پورے ملک میں منایا جارہا ہے۔

- ہندوؤں کا ایک اور تہوار 'ہولی' پچھلے کچھ سالوں سے پورے ملک کی یونیورسٹیوں میں اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ جس میں سب طلبہ شرکت کرتے ہیں۔ اس تہوار میں ناچ گانا، اور لڑکے لڑکیوں کا ایک دوسرے کو رنگ لگانا عام ہے۔
- ہر سال پورے عالم اسلام کے بہت سے ملکوں میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ بھی عیسائیوں کے تہوار "کرسمس" کو منائیں اور پاکستان سمیت بہت سے مسلم ملکوں میں مسلمانوں کی طرف سے بھی کرسمس کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔
- پاکستان سمیت بہت سے اسلامی ملکوں میں ایک غیر اخلاقی اور فحش عیسائی تہوار "ویلنٹائن ڈے" بھی منایا جاتا ہے اور پاکستان میں جدید تعلیم یافتہ نوجوان لڑکے لڑکیوں میں اس تہوار کے حوالے سے کافی جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

سِوَل سوسائٹی، این جی اوز اور ثقافتی اداروں کے ساتھ تعاون

رپورٹ میں ہدف طے کیا گیا ہے کہ لادین سِوَل سوسائٹی اور اس طرح کے دیگر ثقافتی اداروں اور فلاحی کام کرنے والی این.جی اوز کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ پاکستان اور بہت سے مسلم ملکوں میں سِوَل سوسائٹی لادین افکار و اقدار کو پھیلانے اور اسلامی افکار و اقدار پر تنقید کرنے اور ان کو معاشرہ سے نکالنے کے لیے کوشاں ہے۔ پچھلے دو عشروں میں سِوَل سوسائٹی کو بہت ترقی دی گئی ہے اور اس کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں "عورت آزادی مارچ" اور توہین رسالت و توہین مذہب کے خلاف سزاؤں پر احتجاجی مظاہرے اسی طرح دیگر اسلام مخالف اجتماعات یہی سِوَل سوسائٹی ہی منعقد کرواتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی فلاحی کام کرنے والی این.جی اوز کا پاکستان کے شہروں اور دیہاتوں میں بہت زیادہ نفوذ موجود ہے۔ اور یہ تنظیمیں فلاحی کام کرنے کی آڑ میں نوجوانوں اور خواتین میں لادین اور جدت پسند افکار کی ترویج کرنے کا کام کرتی ہیں۔

مسلم طبقات سے متعلق اساسی اہداف کا تجزیہ

اوپر کیے گیے تجزیے سے یہ بات تو واضح ہے کہ مغرب کو اسلامی معاشروں میں اپنے ذیلی اہداف کے حصول میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان بیس سالوں میں ان ذیلی اہداف میں اتنی کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود مغرب کیا اپنے اساسی اہداف کو حاصل کر پایا یا نہیں۔ یہ اساسی اہداف دو طبقات سے متعلق تھے۔ ایک جدت پسند طبقہ اور دوسرا بنیاد پرست طبقہ۔ ذیل میں اُن دونوں طبقات کا جائزہ پیش ہے۔

طبقاتی تقسیم کی حقیقت اور جدت پسند

اس سے پہلے کے جدت پسند طبقے کے حوالے سے بنیادی ہدف کا جائزہ لیا جائے یہاں اس رپورٹ میں کی گئی مسلمانوں کی طبقاتی تقسیم کا تنقیدی جائزہ ضروری ہے۔ اس رپورٹ میں مسلمان معاشروں کی جو طبقاتی تقسیم کی گئی ہے اسے 'طیف' (Spectrum) کی اصطلاح سے تمثیل دی گئی ہے۔ جس طرح طیف میں صرف جدا جدا رنگ اپنی علیحدہ حیثیت میں ہی موجود نہیں ہوتے بلکہ ان کے درمیان میں بہت سے ایسے رنگ بھی ہوتے ہیں جو کچھ اِدھر اور کچھ اُدھر کے رنگ کا مرکب ہوتے ہیں یہی معاملہ ان طبقات کا بھی ہے۔ لیکن حقیقت میں انسانی ذہن اتنا پیچیدہ ہے کہ اس کی نظریات کی بنیاد پر یوں تقسیم چاہے طیف کے رنگوں کی طرح ہی کیوں نہ کی گئی ہو مکمل طور پر درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ طیف میں رنگ اپنے سے قریبی رنگ سے ہی اثر پکڑتے ہیں اور اس رپورٹ میں طبقات کی تعریف بھی اسی طرح سے کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے قریبی طبقہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قدامت پرست اصل میں روایت پسند ہیں لیکن بنیاد پرستوں کے زیادہ قریب ہیں جبکہ اصلاح پسند بھی اصل میں روایت پسند ہیں لیکن جدت پسندوں کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ اگرچہ بالعموم درست ہے لیکن ہر معاملے میں ضروری نہیں۔

اس حوالے سے سب سے پیچیدہ معاملہ جدت پسندوں کا ہے۔ جدت پسند عالم اسلام میں جدید نظام تعلیم کے رائج ہونے سے جاری نسل در نسل 'دیر اثر زہر آلودگی' (Slow Poisoning) کے نتیجے میں پیدا ہونے والا طبقہ ہے۔ اس رپورٹ میں شکوہ کیا گیا ہے کہ جدت پسند طبقہ اگرچہ مغرب کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے، لیکن یہ طبقہ جارح

نہیں ہے، اپنے افکار و نظریات کی تشہیر نہیں کرتا، ان کے لیے کھڑا نہیں ہوتا اور خود کو نمایاں نہیں کرتا بلکہ خاموشی سے مغربی معاشرہ میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی مخصوص ضروریات کے پیش نظر مغرب نے عالم اسلام پر مسلط کیے اپنے نظام تعلیم میں اس کی اساس ہی ایسی رکھی ہے کہ اس میں سے جارحیت کا عنصر ہی ختم ہو جائے اور یہ مکمل اطاعت گزاری کے ساتھ مغرب کی پیروی کرتا رہے۔

نظام تعلیم اگرچہ شخصیت کی تعمیر میں ایک انتہائی اہم عنصر ہے لیکن یہ شخصیت کی مکمل تعمیر کا ضامن نہیں، انسانی معاشرہ، کسی شخص کو پیش آنے والے مخصوص حالات اور اس کا پس منظر سب مل کر شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اس لیے جو بھی شخص جدید نظام تعلیم سے گزرا ہو اس میں کہیں نہ کہیں جدت پسندی کے اثرات نظر آنا عین ممکن ہے، مثلاً یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے زیادہ تر نظریات میں بنیاد پرست بلکہ شدت پسند ہو لیکن بعض امور میں وہ جدت پسند خیالات کا حامل ہو۔ لیکن یہ معاملہ اس سے الٹ زیادہ درست ثابت ہوا ہے۔

معاشرہ میں بہت سے ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو داڑھی منڈوا کر اور مغربی لباس زیب تن کیے اپنی دنیا میں مست نظر آتے ہیں۔ وہ کہیں سیاسی مباحث میں نہیں پڑتے اور اپنی وضع قطع اور رہن سہن ہر اعتبار سے مکمل مغرب کے تابع اور مطیع نظر آتے ہیں لیکن اندر سے وہ بہت سے اساسی موضوعات پر بنیاد پرست نظریات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی سب سے اہم مثال مغرب میں بسنے والے انفرادی مجاہدین ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن میں کسی قسم کے بنیاد پرست نظریات نظر نہیں آتے تھے جن کی ساری زندگی جدت پسندی کی طرز پر گزری لیکن کسی مخصوص واقعہ نے ان کی غیرتِ ایمانی کو ایسا جگایا کہ وہ شیروں کی طرح اسلام دشمنوں پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس پر کوئی حکمت عملی کوئی پالیسی اور کوئی چال کام نہیں کرتی، اور جو آئے دن مغرب کی راتوں کی نیندیں حرام کیے رکھتا ہے۔ ہر سال کسی نہ کسی مغربی ملک میں کوئی نہ کوئی حملہ ان انفرادی مجاہدین کی طرف سے ہوتا آرہا ہے۔

اس میں ایک اہم مثال امریکہ کے شہر باسٹن میں ہونے والے میراتھن مقابلے پر ہونے والا بم حملہ تھا جو دو بھائیوں تیمرلن سارنائیو اور جوہر سارنائیو نے کیا۔ جوہر ماساچوسٹس یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ اس کے ساتھی طالب علم

اسے ایک بالکل 'نارمل' تصور کرتے تھے اور وہ اپنے دوستوں میں بہت مشہور تھا۔ جوہر سارنائیو، معاشرے میں اس حد تک ضم ہو چکا تھا کہ اس کے بہت سے جاننے والوں کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ اصل میں امریکی نہیں ہے۔ وہ ان تمام چیزوں میں مبتلا تھا جس کی کسی امریکی نوجوان طالب علم سے توقع کی جاسکتی ہے اور اس نے کبھی سیاست میں دلچسپی نہیں دکھائی۔ جب اس حملے کے بعد اس کے دوستوں سے رائے لی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ جوہر ایسا کوئی کام کر سکتا ہے کیونکہ وہ بالکل ہم میں سے ایک تھا۔ یعنی اس میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں جو کسی بھی جدت پسند میں موجود ہوتی ہیں اور جن خصوصیات کی ترویج مغرب مسلمانوں میں کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس ساری طرز زندگی کے باوجود جب حملے کے بعد جوہر سے اس حملے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ یہ افغانستان اور عراق میں امریکی حملے کا بدلہ ہے۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کا قتل تمام مسلمانوں کے قتل کے مترادف ہے۔

بنیاد پرستوں سے متعلق اساسی ہدف کا جائزہ

بنیاد پرستوں سے متعلق مغرب کا سب سے اساسی ہدف بنیاد پرستی کا جڑ سے خاتمہ تھا۔ لیکن اس ہدف کو امریکہ اور مغرب کس حد تک حاصل کر پایا؟ پچھلے بیس سال کی تاریخ اس کا واضح جواب ہے۔ یہ مسلم ملکوں سے بنیاد پرستی کی جڑوں کو تو کیا ختم کر پاتا خود مغرب کے اپنے ملکوں میں اس کا رجحان مسلسل بڑھ رہا ہے۔ مغرب نے اپنے ملکوں میں بنیاد پرستانہ افکار کو کچلنے کی جتنی کوشش کی، اتنا ہی اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جتنا مغرب اپنے ملکوں میں اسلامی شعائر پر پابندیاں لگا رہا ہے اتنا ہی وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی شعائر کی طرف رغبت بڑھ رہی ہے۔ جتنا مغرب حجاب پر پابندی یہ کہہ کر لگا رہا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم، ان کو قید کرنے کا ایک طریقہ اور عورتوں کے حقوق کی پامالی ہے اتنا ہی مغرب میں بسنے والی مسلمان خواتین کے اندر حجاب کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

دوسری طرف جس بنیاد پرستی کی جڑوں کو امریکہ اور اس کے حواری ۲۰۰۱ء میں افغانستان کے دشت و بیابان میں ختم کرنے کے لیے آئے تھے اس کی شاخیں اب پورے عالم میں پھیل چکی ہیں اور وہ ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ اور جہاں یہ جڑیں ختم کرنے آئے تھے وہاں بھی آخر کار یہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

مغرب نے کمال مکاری کے ساتھ مسلمانوں کے نوجوان طبقہ کو ہدف بنا کر اسے بے مقصدیت اور جنسی بے راہروی کے راستے پر ڈالا، لیکن یہ حقیقت ان کی آنکھوں سے اوجھل رہی کہ جب تک مسلمانوں کے اندر عقیدۂ آخرت موجود رہے گا ان کا ضمیر انہیں اس بے مقصدیت، بے راہروی اور مادہ پرستی پر ملامت کرتا رہے گا۔ جب تک خوفِ آخرت موجود رہے گا مسلمان نوجوان شہادت کی دھن میں محاذوں کا رخ کرتے رہیں گے اور یہ سارے اسباب بے معنی ثابت ہو جائیں گے۔ چاہے مغرب اپنی مکاریوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کی اکثریت کو اپنا موافق کر بھی لے لیکن مسلمانوں کا ایک گروہ ان کے خلاف قتال کرتا رہے گا اور ان کی راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون حرام کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

اختتامیہ:

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس رپورٹ کے تجزیے کے بعد جب مغرب کو اپنے ذیلی اہداف میں حاصل ہونے والی کامیابیوں پر نظر ڈالیں تو ایک مایوسی کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے، لیکن ساتھ ہی جب مغرب کی اپنے اساسی اہداف کے حصول میں ہونے والی پیش رفت کو دیکھیں تو یہی مایوسی امید میں بدل جاتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ اپنے ذیلی اہداف میں حاصل ہونے والی لاتعداد کامیابیوں کے باوجود مغرب آج بھی اپنی منزل سے بہت دور ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ منزل سے جتنا دور اس نظریاتی جنگ کے اعلانیہ آغاز کے وقت کھڑا تھا آج بیس سال بعد اس سے بھی کہیں زیادہ دور چلا گیا ہے۔

عالم اسلام میں مغربی تہذیب کی نظریاتی یلغار کی گھور رات میں پورے عالم اسلام میں جہادی محازوں کا پھیلاؤ جہاں امید کی کرن کے طور پر نظر آرہا ہے وہیں امارت اسلامیہ افغانستان کی فتوحات مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی مانند ہیں۔ امریکہ، سارا مغرب اور ان کے مشرقی حواری مل کر بھی ان اللہ کے شیروں کے پائے استقامت میں لغزش نہ لا سکے اور آخر کار خود شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مغرب کو اس شکست تسلیم کرنے کے بعد بھی افغانستان سے جو سب سے بڑا خطرہ لاحق ہے وہ صرف یہ نہیں کہ یہ سرزمین مغرب کے خلاف عسکری کاروائیوں کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان کے لیے سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ ہے کہ مغربی تہذیب خود ایک سراب ہے۔ اس کی جڑیں کمزور ہیں اور یہ شاخِ نازک پر بنا ایک آشیانہ ہے۔ اگر افغانستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے جو اسلامی نظام کا احیاء کر دے تو یہ مغربی تہذیب کے لیے پیغامِ اجل ہے۔ کیونکہ ایک مضبوط اسلامی حکومت ایسا قوی پیغام ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ مغرب نے عالم اسلام میں جتنی نظریاتی کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ ایک ایک کر کے ختم ہونا شروع ہو جائیں گی بلکہ خود مغرب میں اس تہذیب کی جڑیں متزلزل ہونا شروع ہو جائیں گی اور یہ تہذیب اپنے ہی خنجر سے آپ خود کشی کر لے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام کا دیندار طبقہ خود کو امارت اسلامیہ کے ساتھ جوڑے۔ اس لیے نہیں کہ اس سے امارت اسلامیہ کو تقویت ملے گی۔ جس رب نے امارت اسلامیہ کی پچھلے بیس سالوں میں مدد و نصرت کی ہے وہ آگے بھی ضرور کرے گا۔ بلکہ اس لیے کہ یہ عالم اسلام میں دیندار طبقہ کی اپنی بقاء کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ اگر عالم اسلام کے دیندار طبقہ نے اپنے وجود کو امارت اسلامیہ افغانستان کے وجود سے تقویت نہیں بخشی تو ان کے ملکوں پر قابض مغرب کا غلام حکمران طبقہ مغرب کے اشاروں پر ایک ایک کر کے سب دینی اقدار کو ملیامیٹ کرتا چلا جائے گا اور ایک دن آئے گا جب افغانستان سے باہر پورے عالم اسلام میں، خاکم بدہن، دیندار طبقہ کا وجود بھی ختم ہو جائے گا۔ اپنے اپنے ملکوں کی حدود میں بند ہونا دیندار طبقہ کی نہیں بلکہ اسلام کی شکست کا باعث بنے گا جبکہ امارت اسلامیہ کے ساتھ خود کو جوڑ کر حقیقی معنوں میں پھر سے امتِ واحد بن جانا ہی مغربی تہذیب و اقدار کی شکست اور اسلامی تہذیب و اقدار کی فتح کا ضامن ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امارت اسلامیہ افغانستان کو پھر سے حق پر قائم فرمادیں، اسلام اور مسلمانوں کو پھر سے پوری دنیا میں باعزت بنادیں اور کفر، کفّار اور ان کے حواری منافقین کو رسوا فرمادیں۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين, وصلّى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

مغرب کی اسلام کے خلاف

عالمی نظریاتی جنگ

”جان لیجیے اللہ کے دشمن بخوبی جانتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا معنی کون لوگ اچھی طرح جانتے ہیں اور کون لا الہ الا اللہ سے ناواقف ہیں۔ جو لوگ لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے واقف ہیں ان کو اللہ کے دشمن تنگ نظر اور بنیاد پرست جیسے ناموں سے پکارتے ہیں، جبکہ لا الہ الا اللہ کے معنی سے غافل لوگوں کو اللہ کے دشمن معتدل مسلمانوں کا لقب دیتے ہیں۔ یہ بات وہ چھپ چھپا کر نہیں کہتے بلکہ پوری صراحت سے کہتے ہیں کہ ہم انتہا پسند اسلام کو ہرگز قبول نہیں کریں گے، ہمیں معتدل اسلام چاہیے، ہمیں بنیاد پرست اسلام قبول نہیں، ہمیں نرم اسلام چاہیے۔ یعنی ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں وہ نرم و ملائم میٹھا میٹھا اسلام چاہیے جو امریکہ کے بتائے ہوئے رستہ پر چلتا ہو۔“

شیخ عبداللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ